وادی سندھ

کی

تہذیب

وادی سندھ کی تہذیب اور کچھ شہروں کے بارے میں مضامین

تحریر و تہذیب
عبدالمعین انصاری
abdulmoin15@gmail,com
+923212779245

فہرست

دریافت

خیال کیا جاتا تھا پاک و ہند میں تمدن کی بنیاد آریاؤں نے 1500 ق م میں ڈالی تھی ۔ اس سے پہلے یہاں کے باشندے جنگلی اور تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھے ۔ مگر بعد کی تحقیقات نے اس نظریے میں یک لخت تبدیلی پیدا کردی اور اس ملک کی تاریخ کو ڈیرھ ہزار پیچھے کردیا ۔ ایک طرف موہنجودڑو اور ہڑپا کے آثار اور سندھ کی قدیم تہذیب کے بارے میں جو معلومات ہوئیں ان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ کی ہے کہ کہ آریوں کے آنے سے بہت پہلے یہ ملک تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن چکا تھا ۔

1921 میں رائے بہادر دیا رام سہنی نے ہڑپا کے مقام پر نے قدیم تہذیب کے چند آثار پائے ۔ اس کے ایک سال کے بعد اسی طرح کے آثار مسٹر آر ڈی بنرجی کو موہنجودڑو کی سر زمین میں دستیاب ہوئے ۔ اس کی اطلاع ہندوستانی محکمہ آثار قدیمہ کو ملی ۔ محکمہ کے ڈائرکٹر جنرل سر جان مارشل نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ان دونوں مقامات کی طرف طوجہ دی ۔ چنانچہ رائے بہادر دیا رام سہنی ، ڈئرکٹر ارنسٹ میکے اور محکمہ اثریات کے دیگر احکام کے تحت کھدائی کا کام شروع ہوا ۔ 1931 میں فنڈ کی کمی کی وجہ سے کام روک دیا گیا ۔ اس اثناء میں محکمہ نے دوسرے مقامات پر اثری تلاش شروع کی ۔ اس میں بڑی کامیابی ہوئی اور پتہ چلا کہ یہ قدیم تہذیب موہنجودڑو اور ہڑپہ تک ہی محدود نہیں ہے ۔ بلکہ اس کا سلسلہ صوبہ سندھ میں چنھودڑو ، جھوکر ، علی مراد اور آمری اور صوبہ پنجاب میں روپر اور بلوچستان میں نال اور کلی کے مقام پر بھی قدیم تہذیب کے آثار موجود ہیں ۔

وادی سندھ کی تہذیب

دنیا کے بڑے دریاؤں کا جائزہ لیں تو ان میں سے صرف چار نے اپنے کناروں پر بڑی تہذیبوں کو جنم دیا ہے ۔ نیل ، دجلہ و فرات اور سندھ ۔ باقی دریاؤں کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ۔ دریائے سندھ کے کنارے ایک تو زمینیں ذرخیز تھیں بے شمار جنگل بھی تھے اور ارد گرد صحرا بھی تھے ۔ جب شہر بسائے گئے تو عمارتی لکڑی کی ضرورت پیش آئی اور ایندھن کی لکڑی بھی ۔ پختہ اینٹوں کے بھٹے جلانے کے لئے لکڑی پاس موجود تھی ۔ ان اسباب کی بنا پر وادی سندھ کی شہری تہذیب کا فروغ ممکن ہوا ۔

قدیم ہڑپہ کے مقام سے موجودہ دریائے راوی تقریباً چھ میل دور ہے ۔ لیکن جب یہ شہر آباد تھا تو راوی اس

کے قریب بہتا تھا ۔ اس لئے ہڑپہ کے قلعے کے قدیم دور میں اس کے ساتھ کچی اینٹوں اور مٹی سے ایک بڑا حفاظتی بند بنایا گیا ہے ۔ جب کبھی راوی میں سیلاب آیا کرتا ہوگا تو یہ بند قلعے کی حفاظت کرتا تھا ۔ اسی طرح موہنجودڑو تو دریائے سندھ کے اندر ایک جزیرہ نما خشکی پر واقع تھا ۔ اس کے ایک طرف دریائے سندھ تھا اور دوسری طرح دریائے سندھ سے نکلنے والا نالہ (جسے نارا کہتے ہیں) بہتا تھا ۔ یہ آگے جا کر واپس دریا میں مل جاتا تھا ۔ اسی لئے شہر کی حفاظت کے لئے ایک میل لمبا حفاظتی بند باندھا گیا تھا ۔ موہنجودڑو میں بار بار سیلاب کی تباہ کاریوں کا ثبوت ملتا ہے ۔ سیلاب کی لائی ہوئی گاد سے اس شہر کی سطح زمین سے تیس فٹ بلند ہوگئی ۔

ہڑپہ اور موہنجودڑو دونوں شہروں کا نقشہ اور ترتیب آپس میں انتہائی مشابہت رکھتے ہیں ۔ اگرچہ ہڑپہ سے ان گنت اینٹیں لوگوں نے چوری کرکے نئ تعمیرات میں استعمال کیں اور لاہور سے ملتان ریلوے لائین بچھانے اور اسٹیشن کی تعمیر کے سلسلے میں یہاں سے ملبہ اٹھا کر استعمال کیا گیا ۔ جس وجہ سے ہڑپہ کی مکمل شکل و صورت ماہرین آثار کے سامنے نہیں آسکی ۔ پھر بھی جو کچھ بچا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہڑپہ کا عمومی نقشہ موہونجودڑو جیسا تھا ۔

دونوں شہروں کا رقبہ تین میل سے اوپر تھا ۔ دونوں شہروں میں قلعہ معین شکل کا ہے ۔ شمالاً جنوباً چار یا پانچ سو گز تھا اور شرقاً غرباً تین سو گز تھا اور سطح زمین سے چالیس فٹ اونچا تھا ۔ دونوں قلعوں کا طول شمالاً جنوباً ہے اور عرض شرقاً غرباً ہے ۔ موہنجودڑو میں قلعہ اصل شہر اندر ایک منفرد اور ممتاز حثیت رکھتا تھا ۔ جس کے ارد گرد گلیاں ایک جال کی شکل میں پھیلی ہوئی ہیں اور گلیوں کے اس جال میں جگہ جگہ عمارتوں کے بلاک میں قلعہ اور شہر اور قلعے کے درمیان ایک واضح خلا ہے ۔ ہوسکتا ہے قلعہ کے ارد گرد وسیع اور گہری خندق ہو ۔ جس میں پانی چھوڑا گیا ہو یا پھر دریا کا پانی لایا گیا ہو یا قدرتی طور پر دریا کی ایک شاخ نے اس کو جزیرے کی شکل میں گھیر رکھا ہو ۔

وادی سندھ کے اکثر شہروں میں قلعہ بھی ملا ہے ۔ سندھ میں علی مراد کے مقام پر پتھر کی بنی ہوئی دیوار ملی ہے ۔ جو تین سے لے کر پانچ فٹ تک موٹی ہے ۔ یہ ایک مستطیل قسم کے رقبہ کا احاطہ کرتی ہے ۔ اس کے اندر کئی مکانات ہیں اور ایک کنواں ہے ۔ یہ ایک چھوٹا سا قبضہ معلوم ہوتا ہے جس کے گرد فصیل ہے گویا یہ آزاد بستی ہے ۔

سندھ میں تھارو میں فصیل شہر ملی ہے ۔ اس قسم کے متعدد فصیل بند قبضات کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک زرعی معاشرہ تھا ۔ جو زراعت کی مدد کرنے والی مصنوعات بھی تیار کرتا تھا ، یہ دیہات قبضات اور شہروں منقسم تھا ۔ وادی سندھ کی شہری تہذیب کی بنیاد اسی زراعت پر تھی ۔ زراعت اور مصنوعات کی وسیع پیمانے پر اندرونی اور بین الاقوامی تجارت کے بے شمار شواہد ملے ہیں ۔ ان چھوٹے قلعہ بند قبضات میں لازماً بہت ساری تجارتی چوکیاں ہوں گی ۔ جہاں سامان تجارت لے جانے والے قافلے عارضی قیام کرتے تھے ۔ اس سلسلے میں خاص طور پر دابر کوٹ اور ستکاگن دڑو کا نام لیا جاتا ہے ۔ سندھ میں میلانو ایک سرائے کی حثیت رکھتی تھی ۔کیوں کہ یہ بہت چھوٹی جگہ ہے اور اسے باقیدہ شہر سمجھنا مشکل ہے ۔ ایسی ہی اور بے شمار سرائیں تجارتی شاہراہوں کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوں گی ۔ جگہ جگہ قلعہ بند فوج سامان تجارت کی نقل وحمل کی حفاظت اور کاشت کاروں سے زائد پیداوار کی وصولی کے لئے تعینات ہوگی ۔

اہمیت

ابھی ہم متاخر حجری عہد سے گزرتے ہی سندھ کی وادی میں ہماری نظر تمدن کے ایسے آثاروں پر پڑتی ہے کہ ہم ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں ۔ ہم ابھی اجتماعی زندگی کی بنیاد پڑنے ، بستیاں بسنے ، صنعت میں کس قدر مشق و صفائی پیدا کرنے کا ذکر کر رہے تھے ۔ اب یک بارگی ہمیں عالی شان شہر دیکھائی دیتے ہیں ۔ ان کے مکانات پختہ اور مظبوط دو دو تین تین منزلہ اونچے ہیں ۔ ان میں سڑکیں ہیں ، بازار ہیں ۔ ان کے باشندوں کی زندگی و رواج اور عادات سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔ یہ عجیب بات وادی سندھ کے وہ آثار جو سب سے زیادہ گہرائی میں ہیں سب سے زیادہ ترقی کا پتہ دیتے ہیں ۔ یعنی جب یہاں کے شہر پہلے پہل بنے تب یہاں کی تہذیب اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور بعد میں اسے ذوال آتا رہا ۔ وادی سندھ کی تہذیب کی بے نقابی اور تشریح شاید بیسویں صدی کا عظیم ترین عصریاتی واقعہ ہے ۔ کیوں کہ اس تہذیب کی وسعت اور معنویت کو 1922 میں موہنجودڑو کی کھدائی سے پہلے سمجھا ہی نہ جاسکا ۔

وادی سندھ کی تہذیب ارض پاکستان کی قبل از تاریخ دور کی سب سے شاندار چیز ہے ۔ اس تہذیب کی بہت سی خصوصایت ایسی ہیں جو صرف اس کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ ماضی میں اس تہذیب کے بارے میں ماہرین کی رائے تھی کہ یہ مغربی ایشیاء سے اس سرزمین سے لائی گئی تھی اور مغربی ایشیاء کے تہذیبی عروج و ذوال کا تمتہ تھی ۔ لیکن 1950 میں ڈاکٹر ایف اے خان نے کوٹ ڈیجی کی کھدائی کی ۔ اس سے نئی چیزیں سامنے آئیں اور پرانے تصورات میں تبدیلی واقع ہوئی ۔ کوٹ ڈیجی میں ہڑپہ کے پختہ دور سے بہت پہلے کی مدفون آبادی ملی ۔ اس کی تہذیب کے زمانے کا تعین ریڈیو کاربن کے ذریعے کیا گیا تو پتہ چلا کہ یہ آبادی ہڑپہ سے بھی 800 سال پرانی ثقافت ہے ۔ اس کے بعد پے درپے کھدائیاں ہوئیں ۔ جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس تہذیب کے سرچشمے اسی سر زمین میں تھے ۔ یہ مقامی سماج کے ارتقاء کا لازمی نتیجہ تھی اور بیرونی اثرات جو بھی تھے وہ ثانیوی اور کم اہم تھے ۔ اس تہذیب کا پختہ زمانہ تو 2500 ق م سے لے کر 1700 ق م ہے ۔ لیکن در حقیت اس کا تسلسل 3800 ق م تک نظر آتا ہے ۔ اس کا دائرہ اثر شمال میں شمالی افغانستان کے علاقہ بدخشاں سے لے کر جنوب میں ساحل سمندر تک ہے ۔ جہاں یہ بلوچستان کے ساحل سے لے کر کاٹھیاواڑ تک محیط ہے ۔ پرانی کھدائیوں میں اس تہذیب سے وابستہ شہر اور قبضے بیالیس کی تعداد میں تھی ۔ اب اس کی تعداد میں سیکڑوں کا اضافہ ہوچکا ہے ۔ صرف چولستان میں ڈاکٹر رفیق مغل نے تین سو تریسٹھ مدفون بستیاں ڈھونڈی ہیں ۔ جن کا تعلق اس تہذیب سے ہے ۔ اس کے علاوہ سرائے کھولا ، جھنگ ، بٹھیال ، وادی سوات میں غالاگئی ، وادی گومل میں کے کئی مقامات ، بلوچستان کے علاقہ کچھی کے علاقے میں مہر گڑھ میں اس تہذیب کے اثرات ملے ہیں ۔ بھارت میں دریائے گھگھر (ہاکڑہ) اور اس کے معاون دریاؤں کے طاس کا علاقہ ان آثار سے پر ہے ۔ اس میں راجپوتانہ ، مشرقی پنجاب اور ہریانہ کے صوبے شامل ہیں ۔ یہاں جن مقامات سے اس تہذیب کے آثار ملے ہیں ان میں کالی بنگن ، سیسوال ، بانے والی منڈا اور دوسرے بہت سی جگہیں شامل ہیں ۔ ساحل کے قریب لوتھل اور رنگ پور بڑے شہر تھے ۔ ان کے علاوہ چھوٹی بستیاں بہت زیادہ ہیں ۔ اس تہذیب کا سب سے پہلے ملنے والا شہر ہڑپہ تھا اور اس وجہ سے اسے ہڑپہ سویلائزیشن بھی کہا جاتا ہے ۔ دوسرا بڑا شہر موہنجودڑو تھا ۔ بعد میں اب گنویری والا ملا ہے ۔ جو ہڑپہ سے بڑا شہر ہے ، لیکن ماہرین زیادہ اہمیت ہڑپہ اور موہنجودڑو کو دی ۔ اس تہذہب کے نمایاں شہر موہنجودڑو ، ہڑپہ کے علاوہ چھودڑو ، سنگلن دڑو ، بالاکوٹ ، سوتکا کوہ ، ٹوچی ، مزینہ دمب ، سیاہ دمب ، جھائی ، علی مراد ، گنویری والا اور معتدد شہر شامل ہیں ۔

بڑے شہروں کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آبادی وسیع تھی ۔ شہروں میں تو تھی ہی دیہات میں بھی بہت تھی ۔ جو وافر مقدار میں اجناس ۔۔۔ اپنی مقامی ضرورتوں سے زائد ۔۔۔ پیدا کر رہی تھی کہ یہ اجناس شہروں کو بھیجی جاسکیں ۔ ملک کے طول و عرض میں پختہ اینٹوں کا کثرت سے استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ وسیع جنگلات تھے ۔ برتن اور مہروں پر جانوروں کی شکلیں اور دفینوں پر ان کی ہڈیاں جانوروں کی کثرت سے موجودگی اور دوسرے لفظوں میں جنگلوں کی کثرت کا ثبوت ہیں ۔ جانوروں میں گینڈے ، شیر ، دریائی بھینس اور ہاتھی کثیر تھے ۔ ان کے علاوہ گھڑیال کا ثبوت ملا ہے ۔ ریچھ کی بعض نسلیں ، بندر ، گلہری اور طوطا بھی ملا ہے ۔ بارہ سنگھا اور ہرن بھی ملے ہیں ۔

مرکزی حکومت

مادی ثقافت کی جملہ تفصیلات میں سارا وسیع و عریض علاقہ ۔۔۔ جسے اب ماہرین آثار عظیم تر وادی سندھ کہتے ہیں ۔۔ ۔ آپس میں مکمل یکسانیت رکھتا ہے ۔ مٹی کے برتن ہر جگہ ایک جیسے ہی ہیں ۔ جو تھوک پیداوار کا نتیجہ ہیں ، مکانات طے شدہ معیاری نقشوں پر بنے ہیں اور پختہ اینٹوں کے ہیں ۔ مہریں ایک طرح کے کھدے ہوئے مناظر سے مزین ہیں اور رسم الخط سب جگہ ایک ہی ہے ۔ اوزان اور پیائش کا ایک ہی معیاری نظام ہر جگہ رائج ہے ۔

معلوم ہوتا ہے اس نظام کا ایک انتہائی ترقی یافتہ افسر شاہی مشنری پر مشتمل مذہبی بادشاہت کا نظام تھا ۔ لوگ مذہب کو مانتے تھے اور اس مستعد اور ماہرانہ نظام سے مطمئین تھے یا اسے نوشہ تقدیر سمجھ کر راضی برضا تھے ۔ بڑی اجناس گندم اور جو تھیں ، اس کے علاوہ تل اور مٹر بھی کاشت کئے جاتے تھے ۔ وادی سندھ میں گندم ۳۰۰۰ ق م سے بھی پہلے کاشت کی جاری تھی ۔

ریاست غلاموں سے سرکاری سطح پر اجتماعی مشقت لیتی تھی ۔ اس میں جو کا چھڑانا اور گندم کا آٹا پینا ، جنگلات کی دیکھ بھال ، لکڑی کاٹنا اور ملک کے طول و عرض میں پہچانا اور خشت سازی وغیرہ شامل تھے ۔ سرکاری سطح پر تھوک پیداوار کے حساب سے ہوتی تھی ۔ اینٹوں کے بھٹے شہر کے قریب نہیں ملے ۔ جس کا مطلب ہے یہ شہر سے بہت دور ہوتے تھے اور ریاستی منصوبہ بندی کے تحت تھے ۔ موہنجودڑو کے دور زوال میں برتن پکانے کی بھٹیاں شہر کے اندر گھر میں اور گلی میں ملی ہیں ۔

ماہرین عموماً وادی سندھ کی تہذیب کے لیے سلطنت کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں ۔ لیکن شاید پگٹ اور ویلر نے سرسری طور پر انڈس ایمپائر کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ جب کہ اکثر ماہرین کا رجحان یہ ہے اسے ایک سلطنت نہیں سمجھا جاسکتا ہے ۔ لیکن بعض بنیادی حقائق ایسے ہیں جن کی کوئی دوسری تشریح ابھی تک ممکن نہیں ہوسکی ۔ وادی سندھ کی صنعتی پیداوار کی زبردست یکسانیت اس خیال کی گنجائش ضرور پیدا کرتی ہے کہ ایک طاقت ور مرکزی حکومت موجود تھی ۔ جو سارے علاقے کو کنٹرول کررہی تھی ۔ اس کے علاوہ پیداوار اور تقسیم کا ایک مربوط ایک مسوط سلسلہ تھا جس کو وہ کنٹرول کرتی تھی ۔ اس کا یقیناً ایک محصول چونگی اور شاہرہوں کی حفاظت کامربوط نظام تھا ۔ ہڑپہ اور موہنجو دڑو ہم عصر شہر تھے ، جو یقناً جڑواں دالحکومت تھے ۔ ان دونوں شہروں کے اندر بلند و بالا قلعے تھے ۔ جو باقی ماندہ آبادی پر غالب نظر آتے تھے ۔ اس لئے قیاس آرئی کی گنجائش تھی کہ یہ مرکزی حکومت کے دالحکومت تھے ۔

نظام حکومت

موہنجوداڑو میں کل نو رہائشی پرتیں نکالی گئیں ۔ ان میں کئی جگہ سیلاب کی تباہ کاریوں کا ثبوت ملتا ہے ۔ لیکن ان متفرق ادوار کی مادی ثقافت میں زرا فرق نہیں ملتا ۔ نہ زبان بدلی ہے نہ رسم و الخط ۔ ایک ایسی زمین پر جس میں زبان نے متعدد شکلیں اختیار کی ہیں اور رسم الخط بار بار یکسر تبدیل ہوا ہے اس میں ایک ہی رسم الخط کا تسلسل اس کے ٹھہراؤ کا بڑا ثبوت ہے ۔ وادی سندھ ایک طرف تو ان کے عکاد اور سومیر سے تعلقات تھے ۔ دوسری طرف تیرہ سو سال تک انہوں نے عکاد اور سومیر سے بدلتے ہوئے صنعتی طریقوں سے کچھ نہیں سیکھا ۔ اس مطلب ہے کہ ٹھہراؤ کی وجوہات اندرونی اور بہت مضبوط تھیں اور بیرونی اثرات کمزور تھے ۔ معلوم ہوتا ہے اس نظام کا ایک انتہائی ترقی یافتہ افسر شاہی مشنری پر مشتمل مذہبی بادشاہت کا نظام تھا ۔ لوگ مذہب کو مانتے تھے اور اس مستعد اور ماہرانہ نظام سے مطمئین تھے یا اسے نوشہ تقدیر سمجھ کر راضی برضا تھے ۔ کوسمبی مزید کہتا ہے کہ اس تہذیب میں پھیلاؤ کا فقدان تھا ۔ یعنی دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے کنارے شہر آباد تھے ۔ باقی تمام آبادی چھوٹے چھوٹے گاؤں پر مشتمل تھی اور یہ تہذیب وادی گنگ و جمن اور خا کنائے دکن کی طرف نہیں گئی ۔

مشترکہ معیار

ملک کے طول و عرض میں مصنوعات اور دستکاریوں کی زبردست یکسانیت صرف مرکزی حکومت کے سخت قوانین کا نتیجہ نہ تھی بلکہ سماج کے تجارتی قوانین بھی ۔۔۔ جنہیں مذہبی رنگ حاصل تھا ۔۔۔ یقیناً بہت سخت ہوں گے ۔ جن پر حروف بحروف عمل ہوتا تھا ۔ ہر علاقے میں اوزان کا یکساں تھے ۔ کانسی کی کلہاڑی کی بناوٹ اور بھالے کی شکل ایک سی تھی ۔ اینٹوں کا سائز ، مکانوں کا نقشہ ، بڑی گلیوں کی ترتیب ، الغرض پورے شہر کی ٹاون پلانگ ایک سی تھی ۔ اس پر مستزاد یہ کہ صدیوں تک پرانی عمارتوں پر نئی عمارتیں ہو بہو ویسی کی ویسی بنتی رہیں ۔ ایک گھر کی خارجی چار دیواری کئی صدیوں تک نہیں بدلی تھی ۔ اس کا مطلب ہے حکمران اور محکوم دونوں طبقات تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے ۔ کاریگر لوگ ذات پات کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے نسل درنسل ایک ہی کام کرتے چلے آرہے تھے اور کچھ ایسا ہی حال اونچے طبقات کا تھا ۔

وادی سندھ کی یکسانیت زمان اور مکان میں ایک جیسی شدت تھی ۔ ایک طرف یہ بلوچستان سے لے کر پنجاب اور خیبر پختوں خواہ تک یکساں ہے ۔ دوسری طرف تیرہ سو سال کے عرصے پر محیط جب تک یہ تہذیب زندہ رہی اس کی تفصیلات میں فرق نہیں آیا ۔

شہری منصوبہ بندی

ہڑپہ اور مونجوداڑو دونوں شہروں کی پلانگ ایک جیسی ہے ۔ موہنجوداڑو میں پہلی آبادی سے لے کر آخری تک شہر کا نقشہ جوں کا توں وہی رہا ۔ مکانوں کا گلی میں کھلنے راستہ اور بغلی گلیاں سب اپنی جگہ بار بار بنتی رہیں ۔ اس سے پگٹ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان تمام برسوں میں یا تو ایک ہی خاندان کی حکومت رہی اور اگر خاندان تبدیل بھی ہوا تو بھی

قدیم روایات بغیر کسی گڑبڑ کہ من وعن منتقل ہوتی رہی ہیں اور ایسا مذہبی تسلسل کے ذریعے ممکن ہوا ہوگا ۔ ظاہر ہے کہ پیداواری آلات ذرائع اور نظام معیشت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہوگی ۔ ملکی قوانین مذہبی عقائد کی شکل میں رائج ہوں گے ۔ نہ سماج میں واضح ترقی ہوتی ہوگی ، نہ عقائد بدلے ہوں گے ۔ شہر کے مغربی کنارے پر ایک بڑا قلعہ ہے ۔ جو تقریباً مستطیل شکل کا ہے ۔جس کا طول شمالاً جنوباً چار سو گز ہے اور عرض شرقاً غرباً دو سو گز ہے ۔ قلعہ 30 فٹ اونچے چبوترے پر بنایا گیا ہے ۔ اس چبوترے کے گرد پکی اینٹوں کی مظبوط دیوار ہے اور اس کا پیٹ کچی اینٹوں سے بھرا گیا ہے ۔ اس قلعے کے اندر بڑے بڑے ہال کمرے ہیں ۔ بڑے بڑے دروازے اور چبوترے ہیں ۔ قلعے کے باہر شہر کے مکانات ہیں اور غلاموں کے کواٹر ہیں ، ان کے پاس گندم پیسنے کے فرش بنے ہیں اور ان کے آگے عظیم اناج گھر ہے ۔ بڑی گلیاں زاویہ قائمہ پر مڑتی تھیں اور ان میں سے باقیدہ سیدھی گلیاں اور کوچے نکلتے تھے ۔ شہر میں کسی جگہ کھلے میدان ، پارک یا باغات نہ تھے ۔ گھروں کے اندرنی نقشہ ہر دور میں بدل جاتے تھے ۔لیکن کنواں وہی رہتا تھا ۔ اس کے اوپر مزید گول دیوار کھڑی جاتی تھی ۔ چنانچہ اب کنواں کھود کر نکالے ہیں تو وہ بیس سے تیس فٹ اونچے کھڑے ہیں ۔

موہنجودڑو کے عروج کے زمانے میں گلیاں کچی ہوتی تھیں ۔مگر ان میں پختہ زمین دروز نالیاں ہوا کرتی تھیں ۔ ان کی نفاست اور عمدگی اور کمال اس وجہ سے تھا کہ ہم عصر دنیا ان کا دنیا کے کسی خطہ میں جواب نہ تھا ۔ مناسب مقامات پر پختہ اینٹوں کے مین ہول تھے ۔ جن کو شہر کا عملہ صفائی صاف کرتا رہتا تھا ۔ یہ بھی امکان ہے کہ گھروں کی صفائی کرنے والے بھی حکومت سے تنخواہ لیتے تھے ۔ یعنی ذاتی غلام نہ تھے ۔مگر آزاد شہریوں کی غلامی پر اجتماعی ملکیت تھی ۔ ہر گھر میں ایک کنواں تھا اور گلیوں میں بھی کہیں کہیں کنواں تھا ۔ گندے پانی کی نکاس کا زمین دوز انتظام تھا ۔ گھر سے جب پانی نکل کر گلی میں آتا تھا تو دیوار کے ساتھ ایک گڑھا یا مدفون برتن یا پختہ اینٹوں کا گٹر بنا ہوتا تھا ۔ تاکہ پانی گلی میں بہہ نہ جائے ۔ اہم گلیوں کے موڑ پر یا چورستوں پر ایک چھوٹا سا کمرہ ہوتا تھا ۔ جو گلی میں کھلتا تھا ۔ بظاہر یہ چوکیدار کا ٹھکانہ تھا ۔ اسی سے لگتا ہے کہ شہری معملات کے بارے میں سرکاری انتظام بہت مفصل اور سخت گیر تھا ۔

دیواروں کا عام طریقہ تعمیر آڑے سیدھے کا تھا ۔ یعنی ایک ردے میں سیدھی اینٹیں چنی جاتی تھیں تو دوسری میں آڑی ۔مگر ایک جگہ آرائشی اسلوب بھی اختیار کیا گیا ہے ۔ دیواریں صرف اندر سے پلستر کی جاتی تھیں ، باہر سے نہیں ۔ چھتیوں میں لکڑی کا استعمال یقینی ہے اور باہر بڑھی بھی ہوتی ہوں گی ۔ اوپر جھروکے ہوتے ہوں گے ۔ جن سے عورتوں کو باہر جھانکنے کی کم ہی اجازت ہوگی ۔تعمیراتی جمالیات ساری لکڑی سے وابستہ تھی یا شاید کوئی رنگ و روغن یا تصویریں ہوتی ہوں گی ۔ اینٹوں سے کوئی جمالیاتی کام نہیں لیا گیا ۔

اس شہر کے مکانات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ امیر اور غریب کے گھر بھی تھے ۔ امیر گھروں سے پہلے صحن ہوتا تھا ۔ جس کاراستہ بڑی گلی میں نہیں بلکہ بغلی گلی کھلتا تھا ۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ایک چوکیدار کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی تھی ۔ اس کے بعد صحن تھا اور صحن کے اطراف میں چھوٹے بڑے کمرے ہوتے تھے ۔ بعض گھروں میں دو اطراف میں کمرے اور بعضوں میں صرف سامنے کی سمت میں چھوٹے بڑے کمرے ہوتے تھے ۔ ایک کمرہ امیر گھر میں غسل خانے کا ہوتا تھا ۔ جس کا فرش پختہ اور عمدگی سے بنایا جاتا تھا ۔ غلاظت کے اخراج کے لئے ہر گھر میں زمین دوز نالیاں بنی ہوتی تھیں ۔ جو باہر گلیوں کی بڑی نالیوں سے جاملتی تھی ۔ اس کے علاوہ گھر کے کوڑا کرکٹ کی صفائی کے لئے دیوار میں ایک سوراخ ہوتا تھا ۔ جس سے باہر کوڑا پھینکا جاتا تھا اور باہر اس سوراخ کے نیچے اینٹوں کی کچرا پیٹی بنی ہوتی

تھی ۔ یقیناً یہاں سے شہر سرکاری عملہ صفائی اس کچرے کو لے جاتا ہوگا ۔ چونکہ یہ ایک دریائی تہذیب تھی ۔ اس لئے صفائی کی طرف زیادہ رجحان تھا ۔ جہاں پانی وافر ہو وہاں نہانا دھونا اور صفائی کے کاموں میں پانی کے استعمال میں کنجوسی کی ضرورت نہیں ۔ جیسا کہ صحرائی تمدن میں ہوتا ہے ۔ امیر گھروں میں کنویں تو تھے ۔ لیکن نسبتاً غیرب گھروں کے لئے پبلک کنویں بھی تھے ۔ پبلک کنویں پر پانی پلانے کی سبیلیں بنی ہوتی تھیں ۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم تین دفعہ سیلاب آیا ۔ جس میں پورا شہر غرق ہوگیا اور پھر بعد میں اس کے اوپر دوبارہ بسایا گیا ۔ ہر بار جب نیا شہر بنا تو اس کا فن تعمیر زوال کا شکار ہوا ۔ تہذیب اور معیار زندگی اور خوشحالی میں انحطاط پیدا ہوا ۔ زوال پر آمادہ شہر کو آخر میں حملہ آوروں نے برباد کردیا ۔ یوری گنگوفسکی کا خیال ہے کہ موہنجودڑو کی آبادی ایک لاکھ سے کم نہ تھی ۔

موہنجودڑو

ہڑپا کے مقام پر قدیم تہذیب کی دریافت کے ایک سال کے بعد اسی طرح کے آثار مسٹر آر ڈی بنرجی کو موہنجودڑو کی سر زمین میں دستیاب ہوئے ۔ اس کی اطلاع ہندوستانی محکمہ آثار قدیمہ کو ملی ۔ محکمہ کے ڈائرکٹر جنرل سر جان مارشل نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ان دونوں مقامات کی طرف طوجہ دی ۔ چنانچہ رائے بہادر دیا رام سہنی ، ڈئرکٹر ارنسٹ میکے اور محکمہ اثریات کے دیگر احکام کے تحت کھدائی کا کام شروع ہوا ۔ تاہم کھدائی کا کام مکمل نہیں ہوسکا ۔ وادی سندھ کی تہذیب کی بے نقابی اور تشریح شاید بیسویں صدی کا عظیم ترین عصریاتی واقعہ ہے ۔ کیوں کہ اس تہذیب کی وسعت اور معنویت کو 1922 میں موہنجودڑو کی کھدائی سے پہلے سمجھا ہی نہ جاسکا ۔ موہنجودڑو کے کھنڈرات ڈوکری سے کوئی نو میل کے فاصلے پر لاڑکانہ کی حدود میں واقع ہے ۔

موہنجودڑو کا عموی پلان ہڑپہ جیسا ہی تھا ۔ شہر کے مغرب میں قلعہ ہے ۔ شہر کی گلیوں کی ترتیب و مکانات اور اناج گھر سب ہڑپہ جیسے ہیں ۔ البتہ یہاں کی منفرد اور سب سے نمایاں چیز بڑا اشنان گھر ہے ۔ بڑا غسل خانہ ، بڑی باؤلی یا عظیم حمام ۔ یہ ایک بڑی سی عمارت ہے ۔ جس کے وسط میں ایک بڑا سا تالاب ہے ۔ یہ تالاب شمالاً جنوباً 39 فٹ لمبا اور شرقاً غرباً 23 فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ گہرا ہے ۔ شمال اور جنوب دونوں دو سمت سے اینٹوں کے زینے اندر اترتے تھے ۔ جن پر لکڑی کے تختے چپکا دیئے گئے تھے ۔ تالاب کی چار دیواری کی بیرونی سمت پر بھی لک (بچومن) کا لیب کیا گیا ہے ۔ لک ہائیدرو کاربن کا قدرتی طور پر نکلنے والا مادہ ہے اور فطرت میں مختلف حالات میں دستیاب ہے ، جو اس وقت بھی تھا ۔ لک کے لیپ سے تالاب میں سے پانی کے رسنے کا سد باب کیا گیا ہے ۔

اسی طرح موہنجودڑو تو دریائے سندھ کے اندر ایک جزیرہ نما خشکی پر واقع تھا ۔ اس کے ایک طرف دریائے سندھ تھا اور دوسری طرح دریائے سندھ سے نکلنے والا نالہ (جسے نارا کہتے ہیں) بہتا تھا ۔ یہ آگے جا کر واپس دریا میں مل جاتا تھا ۔ اسی لئے شہر کی حفاظت کے لئے ایک میل لمبا حفاظتی بند باندھا گیا تھا ۔ موہنجودڑو میں بار بار سیلاب کی تباہ کاریوں کا ثبوت ملتا ہے ۔ سیلاب کی لائی ہوئی گاد سے اس شہر کی سطح زمین سے تیس فٹ بلند ہوگئی ۔

ہم جب موہنجودڑو جیسا عالی شان شہر دیکھ تے ہیں ۔ جس کے مکانات پختہ اور مظبوط دو دو تین تین منزلہ اونچے ہیں ان میں سڑکیں ہیں اور بازار ہیں ۔ ان کے باشندوں کی زندگی و رواج اور عادات سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی

ہے ۔ یہ عجیب بات موہنجودڑو کے وہ آثار جو سب سے زیادہ گہرائی میں ہیں سب سے زیادہ ترقی کا پتہ دیتے ہیں ۔ یعنی جب یہاں کے شہر پہلے پہل بنے تب یہاں کی تہذیب اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور بعد میں اسے زوال آتا رہا ۔

قلعہ اور شہر

موہنجودڑو میں قلعہ اصل شہر اندر ایک منفرد اور ممتاز حثیت رکھتا تھا ۔ جس کے ارد گرد گلیاں ایک جال کی شکل میں پھیلی ہوئی ہیں اور گلیوں کے اس جال میں جگہ جگہ عمارتوں کے بلاک میں قلعہ اور شہر اور قلعے کے درمیان ایک واضح خلا ہے ۔ ہوسکتا ہے قلعہ کے ارد گرد وسیع اور گہری خندق ہو ۔ جس میں پانی چھوڑا گیا ہو یا پھر دریا کا پانی لایا گیا ہو یا قدرتی طور پر دریا کی ایک شاخ نے اس کو جزیرے کی شکل میں گھیر رکھا ہو ۔

موہنجودڑو کا قلعہ ایک ٹیلے پر واقع ہے ۔ جو جنوب میں سطح زمین سے بیس فٹ اونچا ہے اور شمال میں چالیس فٹ ۔ آج کل دریائے سندھ کی ایک شاخ اس سے تین میل کے فاصلے پر بہتی ہے ۔ جب یہ شہر آباد تھا اس وقت قلعے کی مشرقی دیوار کے پاس سے دریا کی ایک شاخ گزرتی تھی ۔ مغربی جانب جو حفاظتی بند تھا ۔ اس سے ایک میل دور دریا تھا ۔ قلعہ ایک چبوترے پر واقع ہے ۔ چبوترہ مٹی اور کچی اینٹوں سے بنایا گیا تھا ۔ جس زمانے سے اناج گھر اور اشنان گھر تعلق رکھتے ہیں ۔ اس کے نیچے بھی کئی دور رہائش کے مدفون ہیں ۔ مگر زیر زمین پانی کی سطح اونی ہونے کی وجہ سے ابھی تک کھدائی نہیں ہوسکی ۔ تاہم جو کچھ ہوسکا ہے اس کے مطلق اوپر سے نیچے تک سات سطحیں ملی ہیں ۔ ساتویں سطح سے نیچے ابھی تک کھدائی نہیں ہوسکی ۔ چھٹی اور ساتویں سطح کے درمیان بیس فٹ موٹی تہہ مٹی اور اینٹ کے روڑوں کی بچھائی گئی ہے ۔ گویا پرانا شہر سیلاب سے تباہ ہوا یا سیلاب آیا تو پورے شہر کے اوپر بیس فٹ اونچا چبوترہ بنا کر نیا شہر تعمیر کیا گیا ۔ موہنجودڑو کے قلعے کے جو برج بنائے گئے ہیں ، ان میں بعض جگہ لکڑی کے شہتیر کا ردا لگایا گیا ہے ۔ جو نو فٹ لمبا اور پانچ فٹ چوڑا ہے ۔ لیکن بعد میں یہ شہتر گل گئے تو کہیں کہیں اینٹوں کی مرمت کردی گئی ۔ شہتیروں کا یہ عجیب و غریب استعمال ہڑپہ کے اناج گھر میں بھی کیا گیا ہے ۔ بعد میں آنے والے معماروں نے یہ طریقہ ترک کردیا ۔ دو برج ایک چور دروازے کے دائیں بائیں بنائے گئے تھے ۔ بعد میں یہ چور دروازہ بند کردیا گیا اور یہاں فصیل تعمیر کردی گئی ۔ اس فصیل کے اوپر دونوں طرف قد آدم دیواریں بنا کر دونوں برجوں کے یہ چور دروازے کو بند کردیا گیا ۔ اس جگہ سے مٹی کے 100 باٹ ملے ہیں ۔ جن میں کچھ چھ اونس وزن کے ہیں اور باقی ماندہ بارہ اونس کے (بالترتیب ایک پاؤ اور آدھا سیر) قلعے کے جنوب میں ایک برج ہے اور اس کے قریب عقبی دروازہ ہے ۔ موہنجودڑو قلعے کا دفاعی نظام ہڑپہ کے قلعے سے زیادہ پیچیدہ ہے ۔

عظیم تالاب

اشنان گھر کے فرش کو پانی بند بنانے کے لئے فرش کے نیچے کھڑیا مٹی (جپسم) کا گارا لگا کر اس کے بغل کے بل اینٹیں کھڑی جوڑی گئی تھیں ۔ کھڑی اینٹوں کے درمیان کھڑیا مٹی کا گارا لگایا گیا تھا ۔ کھڑی اینٹوں کے اس فرش کے اوپر لک کی ایک موٹی تہہ بچھائی گئی تھی ۔ اس کے اوپر پختہ اینٹیں چن دی گئی تھیں ۔ دیواروں میں بھی یہی اصول اپنایا گیا تھا ۔ تالاب کی اندرونی سمت پختہ اینٹوں کی دیوار ۔ اس کے پیچھے آخر میں اینٹوں کی چنائی ۔ جنوب مغربی کونے پر پانی کی نکاس کی ایک خوبصورت زاغ بند قد آدم نالی تھی ۔ اس تالاب کے ارد گرد ایک غلام گردش چلی گئی ہے ۔ جس

کے تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں اور ایک سمت برآمدہ ہے ۔ ایک کمرے میں ایک کنواں ہے ۔ جس سے پانی نکال کر مذہبی غلام تالاب کو بھرتے ہوں گے ۔ شمال میں ایک جانب ترتیب کے ساتھ آٹھ غسل بنائے گئے تھے ۔ چار چار غسل خانوں کی دو قطاریں آمنے سامنے تھیں ۔ ان کے پختہ فرش تھے اور سائز 1/2 9 × 6 فٹ تھا ۔ ان کی دیواریں بہت موٹی تھیں اور کمروں کے اندر سے پختہ اینٹوں کے زینے اوپر جاتے تھے ۔ دیواروں کی ضخامت اس بات کا ثبوت ہے کہ اوپر ایک منزل اور تھی ۔ گویا ان غسل خانوں کے اوپر رہائشی کمرے تھے یا لباس تبدیل کرنے کے کمرے ۔ ہوسکتا ہے کہ پجاری اوپر رہتے ہوں گے اور نیچے کے غسل خانے ان کے زیر استعمال ہوں گے ۔ جب کہ عوام تالاب میں غسل کرتے ہوں گے ۔ ماہرین آثار کا خیال ہے یہ غسل خانے صاحب اقتدار مذہبی پیشواؤں کے قبضے میں تھا اور عوامی سے زیادہ سرکاری اشنان گھر معلوم ہوتا تھا ۔

اناج گھر

تالاب کے مغرب میں ایک ایسی عمارت ملی ہے جس کا فرش زمین فرش پانچ فٹ اونچا تھا اور اس کے نیچے پختہ دمدمے بنا کر ان کے درمیان میں ہوا کے گزرنے کے رستے بنے ہوئے تھے ۔ یہ ہوا دن بھر بل کھا کر دیواروں کے اندر چلے گئے تھے ۔ یقینی طور پر یہ گرم حمام تھا ۔ جس کے فرش کے نیچے اور ارد گرد کی دیواروں کے اندر بنے ہوا دانوں میں گرم ہوا گھومتی تھی ۔ 1950 میں اس گرم حمام کی پوری عمارت ہٹادی گئی اور اس کے نیچے کھدائی میں ایک بڑا اناج گھر نکل آیا ۔ اس کا طول بلد شرقاً غرباً 150 فٹ اور عرض شمالاً جنوباً 75 فٹ تھا ۔ اس عمارت کے 27 حصے تھے اور اناج گھر کے فرش کے نیچے ہوا گزرنے کے ہوا دان بنائے گئے تھے ۔ فرش اور دیگر تعمیرات میں لکڑی کا وافر استعمال کیا گیا تھا ۔ اناج گھر اشنان گھر سے قدیم تر عہد سے تعلق رکھتا ہے ۔ اناج گھر کے جنوب میں ایک بہت بڑا زینہ ملا ہے ۔ جو 22 فٹ چوڑا ہے ۔ یہ زمین سے شروع ہو کر قلعے کی سب سے اونچی سطح تک جاتا ہے ۔ یہ زینہ اناج گھر کا ہم عصر ہے ۔ زینے کے گھر کے قریب ایک کنواں ہے ۔ اس سے آگے چند دیواروں کے اندر بہت سے کنویں ہیں ۔

اہم عمارتیں

اشنان گھر کے شمال مشرق میں ایک طویل عمارت ہے ۔ جو 230 × 78 فٹ ہے ۔ اس کے وسط میں 33 مربع فٹ صحن بھی ہے ۔ اس میں تین برآمدے کھلتے ہیں ۔ چاروں طرف بیرکوں کی طرح سے کمرے بنے ہوئے ہیں ۔ اکثر کمروں کے فرش پختہ اینٹوں کے ہیں ۔ اس عمارت کو شاہی محل یا بڑے بجاری کا گھر سمجھنا مشکل ہے ۔ کیوں کہ اس کا طرز تعمیر رہائشی مکانوں جیسا نہیں ہے ۔ اس لئے کھدائی کرنے والوں نے اسے کالج کا نام دیا تھا ۔ جب تک مزید کھدائی سے اس کا فیصلہ نہیں ہوجاتا کہ یہ عمارت کیا تھی اور اس کا مقصد کیا تھا ۔

اشنان گھر اور کالج کے جنوب میں ایک اور اجتماعی مقصد کی عمارت ملی ہے ۔ جو بعد میں تبدیل کردی گئی ہے ۔ لیکن ابتد میں یہ ایک بہت بڑا مربع شکل کا ہال تھا ۔ جس کا ہر مربع 90 فٹ کا تھا ۔ اس کے اندر اینٹوں سے بیٹھنے کی نشتیں تعمیر کی گئی ہیں ۔ پورے ہال میں گزرنے کے پانچ رستے ہیں ۔ ہر دو رستوں کے درمیان نشتوں کی چار قطاریں ہیں ۔ ہر قطار میں پانچ نشتیں ہیں ۔ یا تو ان کے اوپر لکڑی کی خوبصورت نشتیں لگائی گئی تھیں یا انہی پر ہی سامعین بیٹھے

تھے ۔ یہ کل ایک سو نشتیں ہیں ۔

موہنجودڑو میں ایک ایسی عمارت ملی ہے ۔ جو اگرچہ رہائشی قسم کی ہے مگر بہت بڑی ہے ۔ یہ شرقاً غرباً 250 فٹ لمبی ہے ۔ یقیناً یہ ایک محل ہے ۔ بیرونی دیوار 1/2 3 فٹ سے لے کر 7 فٹ تک موٹی ہے ۔ اس میں دو بڑے صحن ہیں ۔ جن کو ایک پانچ فٹ چوڑی غلام گردش آپس میں ملاتی ہے ۔ اس کے ایک سرے پر 8 فٹ چوڑا دروازہ ہے ۔ گھر کے دو مختلف کمروں میں کنویں تھے ۔ ایک کمرے میں ایک گول تنور تھا ۔ اس کا قطر تین فٹ آٹھ انچ اور اونچائی 3 1/2 فٹ ہے ۔ اس کی شکل موجودہ تنوروں سے جیسی ہے ۔محل میں چار زینے اوپر جاتے تھے ۔

شہر میں ایک اور پبلک بلڈنگ ملی ہے ۔ جو یا تو مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے سرائے تھی یا پھر یاتریوں کے ٹھہرنے کے یاتری استھان تھی ۔ اصل عمارت ایک بہت بڑے ہال پر مشتمل ہے ۔ جو انگریزی کے حروف ایل L کی شکل کا ہے ۔ اس ہال کی دیواروں کے باہر ارد گرد اینٹوں کے ستون بنے ملے ہیں ۔ جن کے اوپر غالباً برآمدے کی چھت ڈالی گئی تھی ۔ جو ہال کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی ۔ جنوب مشرقی کونے پر ایک چار فٹ گیارہ انچ چوڑا دروازہ گلی میں کھلتا تھا ۔ بعد میں یہ دروازہ بند کرکے شمالی جانب مرکز میں دیوار کاٹ کر ایک دروازہ نکلا گیا تھا ۔ اس کے قریب ایک رستہ پانی کے نکاس کا بنایا گیا تھا ۔ جو زمین دوز سفالی پائپ سے ملحق تھا ۔ ہال کے ایک کونے میں ایک فلیش سسٹم بیت الخلا بنایا گیا تھا ۔

ایک اور بڑی عمارت ملی ہے ۔ 87 × 1/2 64 فٹ ہے ۔ اس میں کچھ کمرے تو اندر صحن میں کھلتے ہیں جو رہائشی معلوم ہوتے ہیں اور کچھ باہر گلی میں کھلتے ہیں ۔ ان کے فرش پختہ اینٹوں کے ہیں اور نہایت عمدگی سے بنائے گئے ہیں ۔ باہر کا ایک بہت بڑا کمرہ ایسا ہے جس میں پانچ گول مخروطی گڑھے اینٹوں سے بنائے گئے ۔ ان میں کڑاہ یا دوسرے برتن جو دھات کے ہوں گے ٹکائے جاتے ہوں گے ۔ یا تو یہ کوئی ریستوان ہوگا یا رنگریز کا کارخانہ ۔

ایک اور اجتماعی نوعیت کی عمارت ملی ہے جو 52 × 40 فٹ ہے ۔ اس کی دیواریں چار فٹ موٹی ہیں ۔ اس کا دروازہ جنوب کی طرف سے ہے ۔ جس میں دو متوازی سیڑھیاں اوپر چڑھتی ہیں ۔ جو مرکز میں آ کر مل جاتی ہیں ۔ دروازہ بہت بڑا ہے ۔ اس عمارت کے اندر صحن میں اینٹوں کا ایک دائرہ تعمیر کیا گیا ہے ۔ جس کا اندونی قطر چار فٹ ہے ۔ ماہرین آثار کا خیال ہے کہ یہ کسی درخت کے گرد حفاظتی حصار ہے ۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ درخت مقدس تھا اور یہ عمارت اس مقدس درخت کا مندر تھی ۔ شاید پیپل مندر ۔ اس عمارت کے مختلف حصوں میں سفید چونے کے پتھر کے بنے ہوئے ایک بڑے مجسمے کے تین ٹکڑے ملے ہیں ۔ ان کو جوڑیں تو مجسمہ مکمل ہوجاتا ہے ۔ یہ ایک بیٹھا ہوا آدمی ہے ۔ مجسمے کی مکمل اونچائی 1/2 16 انچ ہے ۔ اس کی داڑھی ہے مگر موچھیں منڈی ہوئی ہیں ، بال اکٹھے کرکے سر کے پیچھے ان کا جوڑا بنایا ہوا ہے اور ایک باریک مینڈھی گوند کر سر کے ارد گرد باندھی گئی ہے ۔ جو آگے ماتھے کے اوپر سے گزرتی ہے ۔ اگر مینڈھی نہیں تو کپڑے کی باریک پٹی ہے جو باندھی گئی ہے ۔ اس آدمی نے دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھے ہوئے ہیں ۔ ایک قدر اونچا ہے اور دوسرا نیچا ۔ آنکھوں کے اندر غالباً موتی جڑے گئے تھے جو بعد میں گر گئے ۔

اس عمارت کی دیواریں موٹی دروازہ عظیم الشان مگر رقبہ مختصر ہے ۔ ہوسکتا ہے صحن میں موجودہ مدور حصار کے اندر یہی مجسمہ رکھا ہو ۔ مجسمے کا سر گول حصار کے قریب ہی سے ملا ہے ۔ بہر حال کچھ کہا نہیں جاسکتا ہے ۔

موہنجودڑو میں ایک اور عمارت پر مندر ہونے کا شبہ کیا گیا ہے ۔ اس کی بیرونی دیواریں ۱/۲ چار فٹ موٹی ہے

اور آٹھ دس فٹ انچائی محفوظ ملی ہے ۔ اس کے اندر کچھ اینٹوں کے چبوترے بنے ہوئے ہیں یا تو ان کے اوپر ستون تعمیر کئے گئے تھے جن پر کوئی زبردست عمارت کھڑی تھی یا پھر ان کا دوسرا کوئی مقصد بھی ہوسکتا ہے ۔ عمارت کے وسط میں صحن ہے جو 23 × 19 فٹ سائز کا ہے ۔ دو چھوٹے صحن اس بڑے صحن کے شمال اور جنوب میں ہیں ۔ جنوبی صحن میں ایک کنواں ہے ۔

ایک نہایت دلچسپ عمارت شہر کے شمال مغربی کونے پر ہے ۔ اس میں آمنے سامنے دو قطاروں میں چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں ۔ جن کی تعداد سولہ ہے ۔ ان سولہ کمروں میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک اندرونی کمرہ ہے ۔ گویا کل چوبیس کمرے ہیں ۔ ہر بیرونی کمرے کے مقابلے میں اندرونی کمرے کا رقبہ دگنا ہے ۔ سولہ کمروں میں سے ہر ایک میں ایک کونے میں پانی کا کھرا بنایا گیا ہے ۔ دیوار میں پانی کی نکاسی کے سوراخ ہیں ۔ ویلر اور دوسرے ماہرین کا خیال ہے اندرونی کمرہ بیڈ روم تھا ۔ لگتا یہ غلاموں کی بیرکیں تھیں ۔ پہلے اس عمارت پر مندر کا شبہ کیا گیا تھا ۔ مگر یہ بہت بڑی ہے ۔ تو پھر ان بیرکوں کا غلاموں کی رہائش گاہ ہونا اور بھی یقینی ہوجاتا ہے ۔ ان بیرکوں دیواریں بہت پتلی ہیں ہیں ۔ اس کا مطلب ہے یہ ایک منزلہ تھیں ۔ ان کے پاس ایک کنواں ہے ۔

شہر کا کچھ حصہ ابھی تک نہیں کھودا گیا ۔ خاص طور پر بدھ اسٹوپہ جوں کا توں کھڑا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے نیچے کچھ ایسی اہم عمارتیں یا زیادہ اہم مواد مل جائے جو ہمارے علم میں اضافہ کرے بہر حال اس کی کھدائی ضروری ہے ۔

قلعہ کے اندر رہائشی گھر بھی ملے ہیں ۔ قلعہ ، اشنان گھر کالج اور بڑے حال کے پیش نظر رکھیں تو یہ یقین کرنا مشکل نہیں رہتا کہ یہ شہر یا تو مذہبی مرکز تھا یا دارلحکومت یا دونوں ۔ اجتماعی غسل کے بعد میں بھی اس علاقے کے لوگوں کا سماجی اور مذہبی زندگی کا رہا ہے ۔ ہرشہر میں چند ایسی باولیاں بنی ہوتی تھیں ۔ جن میں لوگ مذہبی فریضہ کے طور پر نہاتے ۔ باولی ایسے کنویں یا تالاب کو کہتے ہیں جس میں زینہ اترتا ہو ۔ موہنجوڈرو کا عظیم اشنان گھر بھی اپنے وسط میں ایک وسیع عریض باولی رکھتا تھا ۔

موہنجوڈرو کے قلعے کے مشرقی جانب پہلے تو کافی ساری جگہ خالی ہے جہاں کسی آبادی کے آثار نہیں ۔ یہاں غالباً دریائے سندھ کا کوئی شاخ بہتی ہوگی یا نہر بنائی گئی ہوگی ۔ اس سے پھر آگے ٹیلے ہیں جن کے نیچے تعمیرات کے آثار ملے ہیں ۔ یا تو یہ بھی رہائشی علاقہ تھا اور اگر نہیں تو کم از کم یہاں دریا سے حفاظت کے لئے بڑے بڑے پختہ اینٹوں کے پشتے بنائے گئے تھے اور ان سے سیڑھیاں نیچے دریا کی موجودہ سطح تک اتری چلی جاتی ہوں گی ۔

رہائشی مکانات

اصل شہر موہونجودڑو ایک ہی سائز کے مستطیل بلاکوں پر مشتمل تھا ۔ ہر بلاک شمالاً جنوباً 1200 فٹ اور شرقاً غرباً 800 فٹ تھا ۔ اس کے اندر چھوٹی گلیاں قائمہ زاویہ پر ایک دوسرے کو کاٹتی تھیں ۔ اس طرح کے چھ سات بلاک اب تک کھود کر نکالے گئے ہیں ۔ اگر کھدائی مکمل کرلی جائے تو شاید ایک میل کا پورا شہر برآمد ہوجائے ۔ جس میں بارہ رہائشی بلاک ہوں گے ، قلعہ مغربی جانب کا مرکزی بلاک ہوگا ۔ بڑی گلیاں تیس فٹ چوڑی ہیں ۔ چھوی گلیاں کہیں کہیں سے خمیدہ کردی گئی ہیں ۔ تاکہ آندھی کی صورت میں گلیوں میں ہوا کا زور ٹوٹ جائے ۔ یہ عموماً پانچ سے دس فٹ چوڑی ہیں ۔ گھروں کے دروازے بڑی گلیوں یا گزر گاہوں میں نہیں کھلتے تھے ۔ بلکہ بغل بند گلیوں میں کھلتے تھے ۔ کھڑکیوں کا

رواج نہ ہونے کے برابر تھا ۔ کہیں کہیں کھڑکیاں تھیں تو ان میں پختہ جالیاں لگا کر اس میں سے ہاتھ پاؤں یا سر نکالنے کا راستہ بند کردیا گیا تھا ۔ بالائی طبقات کی عورتیں کسی قسم کے پردے کی پابند ہوں گی ۔ گھر کی چادر اور چاردیوارای میں مقید رہتی ہوں گی ۔

امیر گھروں میں تو نجی کنویں تھے ۔ لیکن عوام کے لئے پبلک کنویں بکثرت ہوتے تھے ۔ پبلک کنویں پر پانی کی سبیلیں بنی ہوئی تھیں ۔ قریب ڈھیروں کی تعداد میں مٹی کے ٹوٹے ہوئے بادیے ملے ہیں ۔ جو شاید اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایک بار پانی پینے کے بعد پھینک دیئے جاتے تھے ۔ اگر ایسا تھا تو مزید ثبوت اس بات کا ہے کہ ذات پات کا نظام منظم ہوچکا تھا اور چھوت چھات موجود تھی ۔

موہنجودڑو میں ایک گھر مکمل طور پر محفوظ ہے ۔ اس میں دائیں جانب سب سے اوپر کا گھر جس کے اندر پانچ فٹ چوڑی بڑی بغلی گلی میں گھر کا دروزاہ ہے ۔ جو ایک ڈیورھی میں کھلتا ہے ۔ اس میں دروازے کے عین سامنے ایک چھوٹا سا کمرہ چوکیدار یا نوکر کے لئے ہے ۔ دائیں جانب ایک اور دروازہ ہے جو ایک مختصر گلیارے میں کھلتا ہے ۔ گلیارے میں دائیں جانب ایک کمرہ ہے ۔ جس میں کنواں ہے اور سامنے چند قدم چل کر صحن آجاتا ہے ۔ صحن ۳۳ مربع فٹ ہے ۔ صحن پہلے کھلا ہوا تھا پھر اس کے کچھ حصے میں چھت ڈالدی گئی ۔ کنواں والے کمرے میں ایک زاغ بند محرابی راستہ برابر کے کمرے میں کھلتا ہے ۔ جو پختہ فرش کا غسل خانہ ہے ۔ غسل خانے سے اگلے کمرے کے نیچے سے پختہ مٹی کا پائپ گزرتا ہے ۔ اسی طرح دوسری جگہ بھی ایسا ہی زمین دوز پائپ بچھایا گیا ہے ۔ گھر کی دیواریں موٹی ہیں ۔ جس کا مطب ہے دوسری منزل بھی ہوگی ۔ پختہ اینٹوں کا زینہ اوپر جاتا ہے ۔ گلیارے میں صحن سے داخل ہونے کے بجائے بائیں جانب دروازے میں داخل ہوں تو ایک برآمدہ ہے ۔ جو بائیں جانب جاتا ہے ۔ پھر دائیں جانب مڑجاتا ہے ۔ یہاں ایک کمرے میں داخل ہوتے ہیں جہاں طاق بنے ہوئے ہیں ۔ غالباً یہاں وہ بت رکھے جاتے ہوں گے جن کی پوجا کی جاتی ہوگی ۔ اگر یہ گمان درست ہے تو پھر یہ پوجا انفرادی رنگ رکھتی اور اجتماعی عبادت خانے اس لئے کہیں نہیں ملے ۔

بعض گھروں میں کمروں میں کے اندر اینٹوں سے کھڈی بنی ہوئی ہے جس میں سوراخ دار برتن ہے ۔ جو خمدار راستے سے زمین دوز نالی سے ملحق ہے ۔ یہ فیش سسٹم لیٹرین ہے خمدار راستے کے باعث برتن میں پانی کھڑا رہتا تھا ۔ مگر بعض گھروں میں سیدھا فلیش ہوجاتا تھا ۔ گھر سے گندے پانی کے نکاس کے لئے دیوار میں سوراخ بنایا جاتا تھا اور باہر زمین دوز نالیوں کے ذریعے غلاظت شہر سے باہر چلی جاتی تھی ۔

عام طور پر اس دونوں شہروں کی عمارتیں پختہ اینٹوں سے بنی ہیں ۔ رہائشی مکانات چھوٹے اور بڑے کثیر تعداد میں ہیں ۔ چھوٹا مکان دو کمرے کا ملتا ہے اور سب سے بڑے مکان کا رقبہ 33000 مربع فٹ ہے ۔ مکانات عموماً ایک دوسرے سے الگ ہیں ۔ گھروں میں وسیع صحن ہے ۔ اکثر مکانات دو منزلہ ہیں اور بلندی پر تعمیر کئے گئے ہیں ۔ بڑے مکانوں میں پھاٹک سے متصل ایک کمرہ دربان کے لئے مخصوص ہے ۔ تقریباً ہر مکان میں ایک کنواں ہے ۔ ہر مکان میں بھی ایک غسل خانے کا پتہ چلتا ہے ۔ اس میں مٹی کے بڑے بڑے مٹکے رکھے رہتے تھے ۔ جن کو کنویں سے پانی سے بھر لیا جاتا ۔ اس سے لوٹے کے ذریعے پانی کو بدن پر ڈالتے تھے ۔ لگتا ہے کہ لوگ کھڑے ہوکر نہاتے تھے ۔ غسل خانوں کے فرش کی گھسی ہوئی اینٹیں عام ملی ہیں ۔ ایسا بھی ثبوت ملا ہے کہ لوگ بدن پر تیل ملتے تھے ۔ بڑے مکانوں

میں جابجا کھڑکیوں اور دریچوں کے نشانات ملتے ہیں ۔ زمین کا فرش مسطح و ہموار ہے ۔ دوسری منزل پر جانے کے لئے اینٹوں کی تنگ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں ۔ بعض سیڑھیاں اتنی تنگ ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ یعنی ان کی چوڑائی صرف پانچ انچ ہے اور ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی کا فاصلہ پندرہ انچ ہے ۔ بعض مکانات میں زینے کے نشانات نہیں ملے ہیں ۔ شاید لکڑی کے ہوں گے ان کے نشانات امتداد زمانہ سے مٹ گئے ہوں گے ۔ ایک حیرت انگیز بات یہ ہے ان کے بڑے سے بڑے مکان کا دروازہ تنگ اور پست ہے ۔ عام رہائشی عمارتوں کے علاوہ بڑی عمارتیں ہیں ۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ان کا واقعی کیا مصرف تھا ۔ شہر ایک گوشے میں ایک وسیع اطاق پچاسی فٹ مربع نکلا ہوا ہے ۔ جس میں دوکانوں کی طرح چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں ۔ شاید یہ بازار تھا اور لوگ یہاں خرید و فروخت کے لئے جمع ہوتے تھے ۔

بلدیاتی انتظام

دونوں شہروں میں نقشے کی مماثلت قدیم ترین زمانے سے پائی جاتی ہے ۔ اس کے مقابلے میں میسوپوٹیمیا میں ار شہر کا نقشہ ہے اس میں سارا شہر ایک بڑی گلی سے پھوٹتا ہے ۔ جو ٹیڑھی میڑھی گھومتی ہوئی جاتی ہے ۔ گلیوں کا بے ترتیب یا گولائی میں ہونا خودرو گاؤں کی خصوصیت ۔ جب کہ قائمتہ الزاویہ پر کاٹتی ہوئی ترتیب دار گلیاں منصوبہ سے بنائے ہوئے شہر کی خاصیت ہوتی ہے ۔ شہر اور گاؤں کے درمیان ایک واضح فرق ۔ اس معیار کو پرکھیں تو وادی سندھ کے تمام شہر ٹاؤن پلانگ کے پختہ دور کی پیدوار ہیں ۔ کوسمبی کے خیال میں ہڑپہ اور موہنجودڑو کے شہر میسوپوٹیمیا کے بادشاہ سارگون کے عہد سے بھی قدیم تر ہیں ۔ ان کی ٹاؤن پلانگ اور زیر زمین نکاسی آب کا انتظام میسوپوٹیمیا میں نہیں ملتا ہے ۔ نسل در نسل گلیوں کی حد بندیوں کو نہ توڑنا بھی میسو پوٹیمیا کے برعکس ہے ۔ قدامت سے بھی زیادہ ہے ۔ لہذا یہ تہذیب میسوپوٹیمیا سے مستعار یا متاثر نہیں ۔

شہر کا نقشہ ، اس کے بساؤ کا طریقہ اس کی سڑکیں اور دیگر انتظامات کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وادی سندھ کے باشندے بہت ہی صفائی پسند ، ممتدن اور خوش باش تھے ۔ مروجہ قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے ۔ کوئی مکان یا کسی کی ذاتی تعمیر شاہراہ یا دیگر رفاء عام کے مقامات پرنہیں ہوسکتی تھی ۔ یہی وجہ ہے سڑکیں کھلی ہوئی اور کشادہ ہیں ۔ ہر چوراہے پر ایک سڑک دوسری کو زاویہ قائمہ پر کاٹتی ہے ۔ شاہراہوں کی چورائی 33 فٹ ہے ۔ سڑکوں کے علاوہ بے انتہا کوچے و گلیاں ہیں ۔ مگر سب سیدھی اور چوڑی ہیں نچلی منزل پر پاخانے بھی ہیں ۔ غسل خانے اور پاخانے عموماً نچلی منزل پر ہیں ۔ مگر بعض مکانات میں یہ دوسری منزل میں ان کے نشانات بھی ملتے ہیں ۔ گھروں کا گندہ پانی جانے کے لئے نالیوں کا انتظام ہے ۔ جن کی تعمیر میں حفظان صحت کا پورا خیال رکھا گیا ہے ۔ غسل خانے اور پاخانے مکان کی حدود میں سڑک کی طرف واقع ہیں ۔ ان کے فرش ایک طرف کو ڈھلواں ہیں ۔ ان کا پانی نالیوں کے راستے باہر سڑک کی جانب بڑے نالے میں گرتا ہے ۔ اس پورے شہر کا گندہ پانی زمین دوز نالیوں کے ذریعے شہر سے باہر چلا جاتا ہے ۔ جو نالے سڑک کے کنارے سے گزرتے ہیں وہ اس طرح پاٹے گئے ہیں کہ ان کا سوراخ بھی نظر نہیں آتا ہے ۔ ان تعمیرات اور منصوبہ بندیوں کو دیکھ کر آثار قدیمہ کے ماہرین دنگ رہے گئے ۔ کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ گھریلیوں اور عوامی زندگی کے درمیان اتنا گہرا ربط بلدیہ کے انتظام کے بغیر ممکن نہیں ہے ۔ یہ نظام کس طرح قائم تھا اس کی ہیت طرکیبی

بتانے سے ہم قاصر ہیں ۔

لوگ

وادی سندھ کے لوگ کون تھے ۔ وادی سندھ کے طول و عرض میں کون سی نسل یا نسلیں آباد تھیں ۔ اس بارے میں پرانا تصور ہے کہ یہ لوگ دراوڑ تھے ، مغربی ایشیاء سے آئے تھے اور تہذیب سندھ کے ذوال کے ساتھ ہی جنوب و مشرق کی طرف چلے گئے ۔ لیکن موجودہ نظریہ اس سے مختلف ہے ۔ اس میں اختلاف ان کی نسلی ساخت کے بارے میں ہے ۔ دراوڑ کہلانے کے بارے میں نہیں ۔ ان لوگوں کی نسل جاننے کے بارے میں دو بڑے ماخذ ہیں ۔

(۱) پتھر اور کانسی کے انسانی مجسمے

(۲) موہنجودڑو سے پچاس ڈھانچے اس دور کے ملے ہیں ۔

موہنجودڑو میں باقیدہ قبریں نہیں ملی ہیں ۔ پانچ جگہوں پر لاشیں یکجا ملی ہیں اور لگتا ہے کہ یہ سب لوگ قتل ہوئے ہیں اور لاشیں اپنی جگہ پڑی پڑی مرود ایام سے دفن ہوگئیں ۔ ویلر کا کہنا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے باقیدہ قربرستان شہر کے مضافات میں کہیں ہوگا ۔ جسے اب تک کھودا نہیں گیا لیکن جو ڈھانچے اب تک ملے ہیں وہ آخری قتل عام کے مقتولین لگتے ہیں ۔ ان میں سے تین کاکیشائی (پروٹو آسٹریلائڈ) ہیں ۔ ان کے قد چھوٹے ، سر لمبوترے اور ناک چوڑی تھی ۔ ان کا نچلا جبڑا قدرے آگے کو بڑھا ہوا تھا ۔ ان کے علاوہ چھ ڈھانچے رومی یا ہند یورپی یا خضری یا کیپسیئن نسل کے ہیں ۔ (جو کہ ایک ہی نسل کے متفرق نام ہیں) ان کے سر لمبوترے مگر زیادہ نہیں ، ناک لمبائی میں کم ، تنگ اور اونچی تھی ۔ ان کے نقوش تیکھے اور نفیس تھے ۔ ان میں ایک مرد کا قد پانچ فٹ ساڑھے چار انچ ۔ ایک عورت کا قد 4 فٹ 6 انچ ہے اور ایک دوسری عورت کا قد 4 فٹ 1/2 4 انچ ہے ۔ چار ڈھانچے غالبًا الپائن نسل کے ہیں اور ایک ڈھانچہ الپائن نسل کی منگولیائی شاخ کا تھا ۔ یہ واحد مرد یا تو کوئی مسافر تھا یا پردیسی ۔

دھاتی مجسمے

(۱) موہنجودڑو کی رقاصہ سرزمین پاکستان کے قدیم کاریگروں کی مہارت کا شہکار ہے ۔ یہ مجسمہ آج بھی دنیا بھر میں وادی سندھ کی تہذیب کی علامت بن گیا ہے ۔ اس کے پاؤں اور ٹخنے غائب ہیں اور موجودہ حالت میں اس کی اونچائی ۲/۱ ۴ انچ ہے ۔ یہ موہنجودڑو میں ایک گھر میں سطح زمین سے چھ فٹ چار انچ نیچے مدفون ملا تھا ۔ یہ ایک کم سن فنکارہ ہے ، جو خوشی سے چور ، زیوارات میں لدی جام شراب اس کے ہاتھ میں لئے برہنہ رقص کررہی ہے ۔ دایاں ہاتھ اس نے کولہے پر رکھا ہے اور بائیں ہاتھ میں غالبًا پیالہ پکڑا ہوا ہے ۔ بایاں ہاتھ کندھوں تک چوڑیوں میں چھپا ہوا ہے اور دائیں بازو میں اس نے چند کنگن پہنے ہوئے ہیں ۔ اس کی شکل بلوچستان کی قدیم آبادیوں سے ملنے والی مٹی کی مورتیوں میں دیکھائی گئی عورتوں جیسی ہے ۔ کانسی کا یہ اصل مجسمہ نیشنل میوزم آف انڈیا دہلی میں ہے ۔

(۲) کانسی کا ایک اور چھوٹا سا مجسمہ بھی ہے جو بناوٹ میں معمولی ہے ۔

(۳) ایک تیسرا مجسمہ ہے جس میں پاؤں نظر آرہے ہیں ۔ جنہوں نے پائل پہن رکھی ہے ۔ اس کی بناوٹ عمدہ

ہے ۔ ہم قیاس کرنے میں بجانب ہیں کہ موہنجودڑو کی رقاصہ نے بھی پائل پہن رکھی ہوگی ۔

(۳) تین بیل گاڑیاں بھی ملی ہیں ۔ ایک کے پہیے ہیں جو کہ ٹھوس ہیں ۔ دوسرا پہیوں کے بغیر مگر زیادہ نفیس ہے ۔

(۴) جہاں کانسی کے دو بیل ملے ہیں ۔ جو بڑی سہولت کے ساتھ ان تانگوں میں لگ سکتے ہیں ۔ دونوں بیلوں اور تانگوں کے نیچے کانسی کے چھلے لگائے گئے ہیں ۔ جن میں سے پہیہ گزارنے کے لئے ڈنڈیاں گزاری جاتی ہوں گی ۔ یہ چھلے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان بیلوں کا تعلق ایسے ہی تانگوں سے ہے ۔ یہ پردہ دار تانگے سامان کے لئے نہیں انسانوں کے سفر کی گاڑیاں ہوں گی ۔

مٹی کی مورتیاں

مٹی کی بہت ساری مورتیاں ملی ہیں ۔ جن میں انسانی مورتیاں بھی ہیں اور حیوانی مورتیاں بھی ۔ ان پر عموماً سرخ رنگ چڑھایا گیا ہے اور بعض پر پالش کی گئی ہے ۔ ان کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) ایک مرد کی مورتی جس کی داڑھی موچھیں صاف ہیں ۔ اس کی ناک لمبی ، آنکھیں بڑی اور ابھری ہوئی اور ٹھوڑی نہ ہونے کے برابر ہے ۔ ویلر کا خیال ہے کہ یہ سامی النسل مرد کی شکل ہے لیکن یہ مقامی کلی مورتیوں جیسی ہے ۔

(۲) ایک عورت کی مورت جس نے بال سنوانے کے بعد سر پر تاج پہن رکھا ہے اور ایک مختصر سی دھوتی جو جانگیے سے زیادہ لمبی نہیں ہے پہن رکھی ہے اور گھٹنوں سے کافی اوپر ہی ختم ہوجاتی ہے ۔ ایسے نقوش ، وضع قطع اور لباس والی مورتیاں اکثر مل جاتی ہیں ۔ یہ نمائندہ مورتی ہے اور دیوی ماں بھی ہوسکتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے سر پر جو تاج ہے اسے چراغ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو ۔ کیوں کہ اس میں دونوں طرف پیالہ نما بناوٹ ہے ۔

(۳) مٹی کی بہت سی مورتیاں مضحکہ خیز ہیں اور مذہبی مجسموں سے زیادہ کھلونے معلوم ہوتے ہیں ۔ ان کا چہرہ تفصیلات سے خالی ہے اور نہایت مضحکہ خیز ہیں ۔ اس میں مقامی نقوش کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے ۔

(۴) دیوی ماں کی مورتیاں ۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ ان مورتیوں میں ایک ایسی عورت کی شبیہ ہے ۔ جس نے ہار اور گلوبند پہن رکھے ہیں ۔ گلے میں یکے بعد دیگر کئی گلوبند ہیں ، ہار ناف تک پہنچتے ہیں اور سر پر تاج ہے ۔ ان مورتیوں کے نقوش وہی ہیں جو دیگر مورتیوں کے اور وہی مقامی رنگ ہے جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے ۔

(۵) کافی ساری زنانہ مورتیاں کو گھریلو کام و کاج کرتے دیکھایا گیا ہے ۔ مثلاً آٹا گوندھتی ہوئی عورت ۔

(۶) حیوانی مورتیوں میں زیادہ تر چھوٹے سینگوں والے بیلوں کی مورتیاں ہیں ، بھینس بھی ہے اور گائے مفقود ہے ۔ اس کے علاوہ بندر ، ہاتھی ، سور ، گینڈا ، اکا دکا بھیڑ اور کتا بھی مورتی کی شکل میں دیکھنے کو ملتا ہے ۔ موہنجودڑو سے گھوڑے کا مجسمہ بھی ملا ہے ۔ جانوروں کے دیومالائی مجسمے بھی ملے ہیں ۔ مثلاً چہرہ داڑھی والے مرد کا اور بدن کسی جانور کا ۔ اس کے سینگ بھی بنائے گئے ہیں ۔ یہ تمام مجسمے ہاتھ کے بنائے گئے ہیں اور ان کے لئے سانچے کا استعمال کم نظر آتا ہے ۔ ان میں بیشتر مجسمے سادہ اور مہارت سے خالی ہیں ۔ ان میں ایک پر بکری کا شبہ ہوتا ہے ۔ لیکن جن میں مہارت نظر آتی ہے وہ انتہائی درجہ کی ہے ۔ مثلاً بھینس اور گائے کے مجسمے میں مہارت کمال کی ہے ۔

(۷) مٹی کی بنی بیل گاڑیاں ، ان کے پہیے ٹھوس ہیں ۔ ان کے پہیے جیسا کے پہلے ٹھوس لکڑی کے ہوتے تھے

۔ یہ سب کھلونے ہیں ۔ ان میں سے بعض کے سر علیحدہ بنا کر جوڑے گئے ہیں ۔ جو ایک دھاگے کے ذریعے بیل گاڑی کے لیور سے بنائے جاتے تھے اور کھلونے کو ایک دھاگے سے باندھ کر بچے کھینچتے ہوں گے تو لیور کے زمین کے ٹکرانے سر ہلتا ہوگا ۔

مجسمے

(۱) موہنجوڈرو سے ملنے والا صابن پتھر سے تراشہ ہوا داڑھی والا پجاری کا مجسمہ جس کا نچلا دھڑ ٹوٹا ہوا ہے ۔ جو کچھ ملا ہے یہ سات انچ اونچا ہے ۔ اس نے اجرک اوڑھ رکھی ہے ۔ پگٹ نے اس کو کشیدہ کاری شدہ چادر کہا ہے ۔ چادر پر تین پھولوں والے پھول بنائے گئے ہیں اور دائیں بازو پر جو تعویز باندھا گیا ان میں دھات کی غالباً سونے کی پٹریاں جڑی ہوں گی ۔ کیوں کہ ان کے کنارے ابھرے ہوئے ہیں اور اندر گہرائی ہے ۔ اس طرح آنکھوں اور کانوں میں غالباً سونے کا جڑاؤ کام کیا ہوگا ۔ اس طرح دونوں کانوں کے پیچھے سوراخ کئے گئے ہیں ۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً گلے میں سونے کا کالر پہنانے کے لئے کالر کے دونوں سروں کے کنڈے یہاں پھنسائے جاتے ہوں گے ۔ اصل مجسمہ نیشنل میوزم آف پاکستان کراچی میں خفیہ محفوظ ہے ۔ نمائش کے لئے نقل رکھی گئی ہے ۔

(۲) چونے کے پتھر کا 5 1/2 انچ کا مجسمہ جو گھسا پٹا ہے ۔

(۳) چونے کے پتھر کا سات انچ اونچا سر اس کی مونچھیں منڈی ہوئی ہیں اور مختصر داڑھی بھی ہے بال کنگھی کر کے جوڑا بنایا گیا ہے ۔ آرائش گیسو میں کمال درجے کی نفاست ہے ۔ اسے کھود کر نکالنے نے اسے پورٹیٹ قرار دیا تھا ۔ یعنی کسی حقیقی فرد کا مجسمہ ہے ۔ اس کی مونچھیں صاف بال ترتیب سے بنے ہوئے ہیں ۔ داڑھی مختصر چہرے کے نقوش ملتے جلتے ، مجسمہ کی تیکنک ایک جیسی ۔ اب ظاہر ہے کہ مجسمہ کسی غریب یا عام آدمی کا بنے سے رہا ۔ یہ طبقہ امراء یا صاحبان اقتدار سے تعلق رکھتے ہوں گے ۔ ان کی وضع قطع ایسی تھی جو مذہبی رنگ و روپ رکھتی تھی ۔

(۴) چونے کے پتھر کا پونے آٹھ انچ اونچا سر ۔ بالوں کا اسلوب جیسا ہے اوپر والے جیسا ۔ سر کے پیچھے جوڑا اور داڑھی نہیں ہے ۔

(۵) سنگ جراحت کا مجسمہ ۔ ایک بیٹھا ہوا شخص ۔ اونچائی 11 1/2 انچ ۔ قمیض نہیں پہنی ۔ کمر میں دھوتی باندھی ہے ۔ جو گھٹنوں سے قدرے نیچے تک پہنی ہے ۔ باریک کپڑے کا صافہ بائیں کندھے پر ڈالا ہوا ہے ۔ جو دائیں بازو کے نیچے سے ہو کر گزرتا ہے ۔ جس کو اس نے بائیں ہاتھ سے پکڑ رکھا ہے ۔ مجسمے کا سر ٹوٹا ہوا ہے ۔ بناوت غیر معیاری ہے ۔

(۶) سنگ جراحت کا مجسمہ ۔ آلتی پالتی مار کر ایک شخص بیٹھا ہوا ایک شخص اونچائی 16 1/2 انچ ہے ۔ دایاں گھٹنہ اٹھا ہوا ہے ۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں میں دھرے ہیں ۔ اس شخص نے ایک دھوتی سی باندھ رکھی ہے ۔ چہرے پر داڑھی ہے ۔ مگر دیگر تفصیلات گھس چکی ہیں ۔ چہرہ سر سے بڑا ہے ۔ یہ خرابی سارے مجسموں میں ہے یا پھر حقیقت ہی ایسی تھی ۔ کہ لوگوں کے سر چھوٹے اور چہرے بڑے ہوتے تھے ۔

(۷) چونے کے پتھر کے ایک مجسمہ کا ٹکرا جس میں صرف گھٹنے پر ہاتھ رکھا ہوا نظر آرہا ہے ۔

(۸) چونے کے پتھر کا ۲/۱ ۸ انچ اونچا مجسمہ ۔ ایک آدمی پالتی مار کے بیٹھا ہوا ہے ۔ جس نے ہاتھ گھٹنے پر

ہاتھ رکھا ہے ۔ٹخنوں سے ذرا اوپر پنڈلیوں کے ارد گرد سوراخ کیئے گئے ہیں ۔ جس کا مطلب ہے کوئی پائل پہنائی گئی تھی بیٹھنے کا انداز 6 نمبر ایک جیسا ہے ۔

(۹) کسی جانور کا ٹکڑا جو چونے کے پتھر سے بنایا گیا تھا ۔ اس ٹکڑے کی اونچائی 1/2 4 انچ ہے ۔ یہ غالباً دنبے کا مجسمہ ہے ۔

(۱۰) چونے کے پتھر کا آلتی پالتی مارے ایک شخص ۔ یہ مجسمہ 1/2 8 انچ ہے ۔ اس صفائی ستھرائی اور تکمیل نہیں کی گئی اور ابھی کھدرا ہے ۔ اس شخص کے ہاتھ بھی گھٹنوں پر ہیں اور اس نے بھی دھوتی پہن رکھی ہے ۔ سر کے ارد گر پٹی باندھی ہوئی ہے ۔ بیٹھنے کا انداز 6 نمبر جیسا ہے ۔

(۱۱) چونے کے پتھر کا دس انچ اونچا کسی اساطیری جانور کا مجسمہ ۔ اس کا سر کافی ٹوٹ چکا ہے لیکن پھر بھی دنبے کے سینگ اور ہاتھی کی سونڈ پہچانی جاسکتی باقی سارا بدن دنبے کا ہے ۔

ان گیارہ مجسموں کا مجموعی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پانچ مجسموں میں ایک ایسا شخص دیکھایا گیا ہے جو آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے ۔ یقیناً یہ کوئی گیانی دھیانی ہے جو مذہبی استغراق (گیان دھیان ، مراقبے) میں ہے ۔ ویلر کا خیال ہے یہ دیوتا ہے ۔لیکن یہ زیادہ درست ہے یہ کوئی مذہبی رہنما ہے رشی منی ، پیر فقیر ۔ کیوں کہ بعد میں بدھ کے مجسمے اسی حالت میں ملتے ہیں ۔ دنبے اور ہاتھی کی شکل والا مجسمہ بھی مذہبی ہے ۔ کیوں کہ تین شاخوں والا پھول اس میں بار بار بنایا گیا ہے ۔ گویا گیارہ میں سے سات مجسمے یقیناً مذہبی اہمیت کے ہیں ۔ باقی ٹکڑے بہت مختصر ہیں ۔

برتن

موہنجودڑو کے مٹی کے برتن عموماً چاک پر بنے ہوئے ہیں ۔لیکن اس تہذیب کے سارے عرصے میں ہمیشہ ایک قلیل تعداد برتنوں کی ہاتھ سے بنتی رہی ہے ۔ ان میں ایک نمایاں برتن وہ رکابی جو اونچے پائیدان پر جڑی گئی ہے ۔ اسے عموماً اسے چڑھاوے کا پائدان کہا گیا ہے ۔منقوش برتنوں میں سرخ زمین پر سیاہ نقاشی کی گئی ہے ۔

ان پر جو سجاوٹی نمونے بنے ہیں ۔ ان میں ایک تو دائرے کا کاٹتا ہوا دائرہ ہے ۔ جس کی تکرار سے ایک جال سا بن جاتا ہے ۔ ۔ دوسرے جانوروں کی تصویریں بعض برتنوں پر مور کی شکل ہے ، جو برتن کے اوپر کے حصے میں نظر ہوتی ہے اس سے مور کی تعظیم کا احساس ہوتا ہے ۔ بکری کی شکلیں بہت کم ہیں ۔ مچھلی کی شکلیں بھی برتنوں پر نظر آتی ہیں ۔ انسانی شکل کم ہی نظر آتی ہیں ۔ ایک جگہ ہرنی اپنے بچے کو دودھ پلارہی ہے ۔ ہرنی کی کمر پر ایک پرندہ بیٹھا ہے اور پس منظر میں ایک مچھلی ، نرسل کے کچھ پودے اور دوسری چیزیں نظر آرہی ہیں ۔ پیپل کا بھی ملتا ہے اور تین پتیوں والا گلاب کا پھول بھی ۔ ایک برتن کے ایک ٹکڑے پر ایک آدمی اور اس کا بچہ ہے ، دونوں نے ہاتھ اٹھا رکھے ہیں اور ان کے ساتھ پرندے اور مچھلیاں ہیں ۔ ایک اور جگہ ایک آدمی نے مچھلیاں پکڑنے کے دو جال ایک لاٹھی پر لگائے ہوئے ہیں اور لاٹھی کندھوں پر لاد رکھی ہے ۔ قریب ہی ایک دوسرا آدمی ہے ۔ درمیان میں مچھلیاں اور ایک کچھوا نظر آرہا ہے ۔

کچھ برتن ایسے بھی ہیں جن پر کثیر رنگی مصوری کی گئی ہے ۔ پہلے برتن پر زرد پانی چڑھایا گیا ، پھر اس پر سبز اور سرخ رنگ میں تصویریں بنائی گئیں ہیں ۔ کہیں زرد زمین پر کالے ، سفید اور سرخ رنگ میں پرندے اور جانور بنائے

گئے ہیں ۔ ان تمام برتنوں کے بنانے رنگنے اور مصور کرنے کی تیکنک نہایت پیچیدہ اور ماہرانہ ہے اور اکثر برتنوں پر روغنی تہہ چڑھائی گئی ہے ۔ بعض برتنوں پر ایسی مہر کندہ کی گئی جو یا تو کارخانے کا نام ہیں یا تو یہ برتن کے مالک کا نام بھی ہوسکتا ہے جس کے حکم سے یہ برتن بنائے گئے ہیں ۔ یہ آبخورے ہیں اور ان کا پینیدا ہے یہ پینیدے پرکھڑے نہیں ہوسکتے ہیں ۔ یہ اتنی زیادہ تعداد میں ملے ہیں کہ شاید ایک دفعہ استعمال کرکے پھینک دیئے جاتے ہوں گے ۔ ہڑپہ سے دس برتن ایسی مہروں والے ملے ہیں ۔ ایک عجیب و غریب برتن عمودی کناروں والا گول کم چوڑا مگر بہت لمبا برتن تھا ۔ جس کا سارا بدن سوراخوں سے چھلنی ہے ۔ یہ یا تو دودھ دہی مکھن نکال نے کے سلسلے میں یا پھلوں کا رس نکالنے کے کام آتا ہوگا یا مذہبی آگ جلانے خاص کر لکڑیوں کو سلگتے رکھنے کے کام آسکتا تھا ۔ ایک دو جگہ راکھ کے پاس ملا ہے ۔ کچھ مرتبان ، پائدان والے پیالے ، پائدان والی طشتریاں اور ڈھکن دار روٹی دان بھی ملا ہے ۔ آخری دنوں میں یہی برتن طشتری نما سے پیالہ نما بن جاتا ہے ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ان برتنوں کی اور ان پر بنی سجاوٹی تبدیلی آجاتی ہے ۔

مہریں

عموماً مہریں صابن پتھر کو تراش کو بنائی جاتی تھیں ، بعض اوقات صابن پتھر کو پیس کر سفوف کو گوند کر مہریں بنائی جاتی تھیں ۔ جنہیں بعد میں پکا لیا جاتا تھا ۔ بعض مہریں تانبے اور کانسی کی بھی ہیں ۔ عموماً یہ مربع شکل کی ہوتی تھیں اور پون انچ سے سوا انچ لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہوتی ہیں ۔ موہنجودڑو سے 1200 سے زائد مہریں ملی ہیں ۔ اوسط درجہ کی مہریں اتنی شاندار ہیں کہ دستکاری کا شاہکار معلوم ہوتی ہیں ۔ عموماً ان کی پشت پر ابھار ہوتا تھا ۔ جس میں دھاکہ ڈالنے کا سوراخ ہوتا تھا ۔ مگر بعض مہروں میں یہ بھی نہیں ہوتا تھا ۔ اکا دکا مہریں گول اور مٹکے سے ملتی جلتی تھیں ۔ مہروں کو تیار کرنے کے بعد الکلی میں ڈبودیا جاتا تھا اور پھر اسے آگ میں پکایا جاتا تھا ۔ اس کے نتیجے میں اس کی سطح نہایت سفید ، ملائم اور چمکدار بن جاتی تھی ۔

ان مہروں کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب کی سب دستخطی مہروں کی حثیت رکھتی ہیں ۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ عہدہ یا اٹھارٹی کے اظہار سے تعلق رکھتی ہیں ۔ یہ افسروں کی سرکاری مہریں ، ٹھپے یا چانک ہیں ۔ تجارتی سامان کی حفاظت کے لئے یہ مہریں گٹھڑیوں یا بوریوں پر ثبت کی جاتی تھیں اور اپنے وقت میں اس مہر ثبت کرنا بھی دنیاوی سے زیادہ مذہبی عمل تھا ۔ مہروں پر پیپل کے پتے مذہبی اہمیت کے ساتھ بنائے جاتے تھے ۔

ان مہروں پر اصلی جانوروں اور دیومالائی جانوروں کی تصویروں کے علاوہ تحریریں بھی ہیں اور تصویری علامتیں بھی ۔ سب چیزیں الگ الگ مہروں پر بھی ہیں اور مہروں پر ان میں کسی بھی دو یا تین چیزوں کا امتزاج بھی ہے ۔ بعض مہروں پر انسانی شکلیں ہیں ۔ دیو مالائی جانوروں میں سے جس جانور کی تصویر کثرت سے بنائی گئی ہے وہ اک سنگھا ہے ۔ اس کا بدن بیل کا ، دم اور چہرہ گھوڑے کا اور ماتھے پر ایک سینگ ہے ۔ یونانی دیومالا میں اک سنگھے (یونی کارن) کا ذکر ملتا ہے ۔ بھارت کے آثار قدیمہ میں اک سنگھے کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے ۔ لہذا اسے خاص وادی سندھ کا عنصر سمجھنا چاہیے ۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے جہاں کہیں بھی اس کی تصویر بنائی گئی ہے ، اس کی ٹھوڑی کے نیچے ایک برتن بنایا گیا ہے ۔ ایک سلاخ پر ایک پیالہ رکھا ہوا ہے ۔ پیالے کے مرکز سے ایک سلاخ پر اوپر اٹھی ہوئی ہے اور اس اوپر پیالے

کے قطر کا ہی سائبان بنایا گیا ہے ۔ جسے کہ ٹیبل لیمپ کا شیشہ ہوتا ہے ۔ ایسا لگتا ہے کہ حقے کی نلکی پر چم دھری ہو اور اس کے اوپر ڈھکن قدرے اوپر ہے ۔ اس کی توجہات مختلف کی گئی ہیں ۔ مگر اغلب یہی ہے کہ یہ آتشدان ہے ۔ جس پر کوئی مذہبی چڑھاوا چڑھایا جارہا ہے ۔ اور اک سنگھا بھی مذہبی اہمیت کا نشان ہے ۔ یہ کسی قبیلے کا ٹوٹم یا طاقت و اقتدار کا دیوتا بھی ہوسکتا ہے ۔ ایک اور مہر پر اسے کہیں جلوس میں لے جایا جارہا ہے ۔

ایک مقبول عام تصویر بیل کی ہے ۔ چھوٹے سینگوں والا بیل جس کے آگے کھرلی رکھی ہوئی ہے ۔ بڑے سینگوں والا بیل بھی عام ہے ۔ جس کی گردن پر گوشت کی چادر سی لٹکی ہوئی ہے ۔ ایک سینگ والے گینڈے کی کچھ تصویریں بھی ملتی ہیں ۔ یہ جانور اس زمانے میں یہاں موجود تھا ۔ شیر خاص کر لکیروں دار شیر ان مہروں میں نظر آتا ہے ۔ یہ بھی وادی سندھ کے جنگلوں میں ہوتا تھا ۔ ایک مہر پر ایک آدمی درخت پر بیٹھا ہے نیچے شیر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا ہے ۔ ایک آدھ مہر پر ہاتھی بھی بنایا گیا ہے ۔ گھڑیال کی شکل کئی مہروں پر نظر آتی ہے ۔ ایک مہر پر تین سینگوں پر والا اک سنگھا ہے ۔ سر ہرن کے ہیں اور بدن اک سنگھے کا ۔ ایک مہر پر چھ مختلف جانوروں کے سر ہیں ۔ جن میں اک سنگھا ، سانڈ ، مرگ (ہرن کی ایک قسم) اور شیر نظر آرہے ہیں ۔ باقی حصہ ٹوٹا ہوا ہے ۔ کسی مہر پر تین سر ہیں کسی پر دو ۔ ایک مہر پر پیپل کے درخت میں سے ایک اک سنگھے کے دوسرا اگ رہا ہے ۔ بعض مہروں میں انسان جانورں یا بلاؤں سے لڑ رہا ہے یا جانوروں کی خدمت میں ہے ۔ ایک جگہ ایک آدمی بھینس پر بھالے سے وار کررہا ہے ۔ دو مہروں پر تین سروں والا آدمی بیٹھا ہوا ہے ۔ جس کے بازو کندھوں تک چوڑیوں سے بھرے ہوئے ہیں ۔

مہروں پر پیتل کے پتے مذہبی اہمیت کے ساتھ بنائے جاتے تھے ۔ مہروں کی اہمیت مذہبی تھی اور یہ عملی تجارت کو کنٹرول کرتی تھی ۔ یہ بطور تحریم سامان تجارت کی بند گٹھڑیوں پر لگائی جاتی تھی ۔ ہر سامان کسی مندر کی ملکیت ہوتا تھا یا اس کی امان میں ہوتا تھا اور مندر کی مہر لگنے سے دیوتا کی روحانی قوت اس سامان کی حفاظت کرتی تھی ۔ اگر کوئی تاجر مندر سے الگ اپنی جائیداد بنالیتا تو وہ اپنی الگ مہر بنواتا تھا ۔ یقیناً اسے خود بھی کوئی مذہبی رتبہ حاصل ہوجاتا ہوگا ۔ اس طرح ہر تاجر یا تاجر خاندان کی ایک مہر ہوتی ہوگی ۔ بلکہ ہر اہم شخص (اور خاندان) پاس بھی ایک مہر ہوتی ہوگی ۔ یہ اس کی ملکیت کی دستاویزی ثبوت بھی ہوتا تھا اور اس کے آزاد شہری ہونے کا ۔ غلاموں اور شودروں کے پاس شاید مہریں نہیں ہوں گی ۔ اگرچہ انہیں تخلیق تو وہی کرتے تھے ۔

ہڑپہ میں نسبتاً زیادہ قدیم زمانے کی انتہائی ننھی منی مہریں بھی ملی ہیں جن کی لمبائی 1.07 تا 1.36 انچ ہے ۔ چوڑائی 1.02 تا 1.06 موٹائی 1.05 تا 1.13 انچ ہے ۔ ان پر جانوروں تصویریں نہیں ہیں یا نشانات ہیں یا پھر مچھلی یا مگر مچھ وغیرہ نظر آتے ہیں ۔ ان میں سوراخ بھی نہیں ہیں ۔

پتھر کی مہروں کی طرح تانبے کی ٹکیاں بھی ملی ہیں ۔ ان میں ایک طرف عبارت ہے اور دوسری طرف جانوروں کی تصویر جن میں بیل ، اک سنگھا ، ہاتھی ، شیر ، رینو ، سارس ، خرگوش اور طرح طرح کی بلائیں بنائی گئی ہیں ۔ بعض اساطیری جانور بھی ہیں ۔ مثلاً بیل اور ہاتھی کا مجموعہ یا بیل اور آدمی کا مجموعہ ۔ ان کے بارے میں خیال ہے کہ یہ جنتر (تعویز) تھے ۔

مویشی و جانور

موہنجودڑو کے مال تجارت میں زرعی اشیاء کے علاوہ مویشیوں کا بھی وافر حصہ تھا ۔ ہڑپہ سے ملنے والی ہڈیوں کی کثیر تعداد سے اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ ان میں کوہان والا بیل جنہیں سانڈ کہتے ہیں پالتو جانور تھے ۔ سانڈ قدیم زمانے میں صرف ارض پاکستان سے ملا ہے ۔ دنیا کے دیگر حصوں میں کہیں نہیں ملا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسرے پالتوں جانورں میں بھینس ، بکری ، بھیڑ اور سور شامل تھے ۔ بعض جگھوں پر سور کی ہڈیاں ملی بھی ہیں ۔ ان لوگوں میں کتا پالنے کا رواج بھی تھا اور بلی بھی پالی جاتی تھی ۔ ان دونوں کے کافی ثبوت ملے ہیں ۔کتے کی دو قسمیں تھیں ۔ ایک وہی جو آج بھی عام ہے ۔ دوسری بھڑیے کی نسل سے ماخوذ ہے ۔ اناج کے وسیع ذخیروں کو چوہوں سے بچانا ضروری تھا ۔ اس لیے بلی یقیناً پالی جاتی ہوگی ۔ گھوڑا اور گدھا بھی اس دور میں پایا جاتا تھا ۔ گھوڑا قدیم دور میں رانا غنڈئی میں ملا ہے ۔ ہڑپہ میں ہاتھی بھی تھا ۔ خاص طور پر اس کی دو قسمیں تھیں ۔ اعلیٰ قسم جسے بھارت میں 'کومور یا ڈھنڈیا' کہتے ہیں ۔ اس کی کمر سیدھی ، سر چوکور اور ٹانگیں مظبوط ہوتی ہیں ۔ دوسری قسم کو 'میرگھا' کہتے ہیں ۔ اس کمر ڈھلوانی اور جثہ نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے ۔

دوسرے جانوروں یا پرندوں کے وجود کے جو ثبوت ملے ہیں ۔ ان میں خرگوش ، بندر ، فاختہ ، طوطے ، وغیرہ شامل ہیں ۔ چھوٹے چھوٹے مٹی کے پنجرے ملے ہیں ۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھنکارنے والے جھینگر اوردوسرے موسیقار کیڑے پالے جاتے تھے ۔ جیسا کہ چین میں رواج تھا ۔ جنگلی جانوروں میں سانڈ (بائی سن) گینڈے ، شیر ، سانبھر ہرن ، چتکبرا ہرن ، پاڑا ہرن وغیرہ عام تھے ۔

مذہب

وادی ، سندھ بنیادی طور پر زرعی ہے ۔ دیوی ماں ، مقدس درخت ، شجر حیات ، لنگم دیوتا ، یونی دیوی یہ سب مقامی تصورات ہیں اور زرخیزی اور مذہب تعلق رکھتے ہیں ۔ ان سب مذاہب کی بنیاد دیوی ماں پر تھا ۔ وادی سندھ کی تہذیب سے کوئی قد آدم یا دیو قامت مجسمے نہیں ملے ۔ نہ کہیں چٹانوں پر کندہ عبارتیں ملیں ۔ اگرچہ مذہب کی گرفت اجتماعی تھی ، مگر عبادات کی ادائیگی انفردی معاملہ تھا ۔ اشنان ایک مذہبی عبادات تھی اور مذہبی باولیاں بن چکی تھیں ۔ کہنا مشکل ہے کہ موہنجودڑو کا بڑا اشنان گھر دیوی ماں اشنان گھر تھا یا بھینس دیوتا کا ۔ لیکن شاندار تعمیر اس کے شاہی ملکیت ہونے کا ثبوت کافی ہے ۔ جس کی بنا پر اسے دیوتا کا اشنان گھر سمجھنا زیادہ قرین قیاس ہے ۔

بعض مہروں پر مرد دیوتاؤں کی تصویریں بھی ملی ہیں ۔ مثلاً ایک مہر پر تین چہروں اور سینگوں والا دیوتا آلتی پالٹی مارے بیٹھا ہے ۔ ایک اور مہر پر اس کے ارد گرد چار جانور ہاتھی ، شیر ، گینڈا اور بھینس ہے ۔ دو ہرن اس کے تخت کے پاس بیٹھے ہیں ۔ دیوتا ننگا ہے اور آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے ۔ اس سر پر سینگ ہے یہ سینگ بھینس کے ہیں ۔ سینگوں کے درمیان کوئی پودا ہے یا مور کی کلغی ہے اس کا عضو استیادہ ہے یہ یقیناً ذرخیزی کا دیوتا ہے ۔ مارشل کا خیال ہے یہ شیو کی ایک پرانی شکل ہے یہ شیو کی ترکھی مورتی سے ملتی جلتی ہے ۔ یہ دیوتا چہرے پر بھیانک تاثرت رکھتا ہے جو حاکم کے ہوسکتے ہیں ۔

تجارت

وادی سندھ میں کپاس بھی کاشت کی جاتی ہے ۔ جس کا ثبوت موہنجودڑو سے ملا ہے ۔ اسی کپاس کے دھاگے سے بنے ایک کپڑے کا ٹکڑا بھی یہیں سے ملا ہے ۔ جس پر سرخ اور مجیٹھی رنگ چڑھایا گیا تھا ۔ آج بھی سندھی اجرک کے یہ مخصوص رنگ ہیں ۔ اس دور کے سامان تجارت کی ایک نہایت اہم شے کپاس تھی ۔ چاہے وہ روئی کی شکل میں ہوں ، دھاگے کی شکل میں ہو یا کپڑے کی شکل میں ۔ میسو پوٹیمیا کو یہاں کی کپاس برآمد کی جاتی تھی ۔ بکری وہی نفیس اون والی بکری تھی جو کشمیر میں تھی اور جس سے شالیں بنتی ہیں ۔لہذا وادی سندھ میں اونی لباس کا استعمال خارج امکان نہیں ۔ میسوپوٹیمیا جو وادی دجلہ و فرات کی تہذیب تھی اس کے وادی سندھ سے تجارتی تعلقات تھے ۔ فنون دستکاریوں کا تبادلہ ہوتا تھا ۔ اس کے نتیجے میں وادی سندھ کی تہذیب کے اثرات جمدت نصر کے زمانے کی تصویروں میں نظر آتے ہیں ۔ مثلاً ایک جگہ بیل کے جسم پر ہاتھی کی سونڈ لگی ہے ۔ یہ خالص وادی سندھ کی تصویر ہے ۔

تانبا بلوچستان اور راجستھان سے حاصل کیا جاتا تھا اور بہ افراط یہ میسر تھا ۔قلعی (ٹن) مقامی چیز نہیں تھی یہ یقیناً درآمد کی جاتی ہوگی ۔ سونے اور چاندی کے زیورات استعمال ہوتے تھے ۔ چاندی کے کچھ برتن بھی ملے ہیں ۔ سونا میسور ، قندھار اور ایرانی شہروں سے درآمد کیا جاتا ہوگا اور دریاؤں کے کنارے آباد نیاریئے بالو میں سے سونا نکالتے ہوں گے ۔ چاندی اجمیر اور جنوبی ہند میں سکے کے ساتھ مدغم تھی اور افغانستان و ایران میں تو وافر تھی ۔ جہاں سے یہ درآمد ہوتی ہوگی ۔ لاجورد ، یشب و یاقوت بھی زیوروں میں استعمال ہوتے تھے ۔ لاجورد بدخشاں (افغانستان) میں عام تھا ۔ بدخشاں کا علاقہ سندھ کی تہذیب کے دائرے تھا اور وہاں سے یہ پتھر لا کر ان کے زیورات بنائے جاتے تھے ۔ چنھوڈڑو میں لاجورد خام شکل میں ملا ہے جس سے منکے بنائے جاتے تھے ۔ زمرد شاید خراسان (ایران) سے لایا جاتا تھا اور یشب ترکستان یا برما سے درآمد ہوتا تھا ۔ یشب مقامی پتھر نہ تھا موہنجودڑو سے ایک یشب کی 1/2 4 انچ کی پیالی ملی ہے ۔ ہوسکتا ہے یہ چین سے آتا ہو ۔ جہاں اس کے برتن بنانے کا رواج تھا ۔ یاقوت ہیرا پور (الہ آباد بھارت) سے آتا تھا ۔ یہ جگہ دریائے سندھ سے چار سو میل دور ہے ۔ سنگ مرمر مقامی چیز تھا ۔

وادی سندھ سے جو چیزیں میسوپوٹیمیا چیزیں جاتی تھیں ان تانبا ، ہاتھی دانت ، بندر ، موتی ، شامل تھے ۔ ہاتھی دانت کی کنگیاں ، بابلی تحریروں کے مطابق ' ملوہہ' سے منگائی جاتی تھیں ۔ ملوہہ کے بارے میں عام رجحان ہے کہ وہ وادی سندھ کا کوئی شہر تھا ۔ کوسامبی کا خیال ہے یہ موہونجودڑو تھا ۔ کیوں کہ موہنجودڑو سے ایسی ہی ایک کنگی ملی ہے ۔ ان کے علاوہ کپاس ، سوتی دھاگہ ، سوتی کپڑا اور اجرک بھی برآمد ہوتی تھی ۔ حیرت کی بات یہ ہے وادی سندھ سے شیشے کی چوڑی یا کوئی اور چیز نہیں ملی ہیں ۔ جب اس وقت کہ سمیری اور مصری شیشہ بنانا جانتے تھے اور ان ہاں اس کا رواج تھا ۔

ذرائع آمد و رفت

اندرون ملک تجارت کا سب سے بڑا ذریعہ دریائی کشتیاں تھیں یا بیل گاڑیاں ۔ غالباً سب سے بڑا ذریعہ بیل گاڑی تھی ۔ جس کے پہیے ٹھوس ہوتے تھے اور اس کا قطر تین فٹ چھ انچ ہوتا تھا ۔ موہنجودڑو میں ایک اونٹ کا ڈھانچہ پندرہ فٹ گہرائی میں مدفون ملا ہے ۔ گدھے اور خچر کے استعمال کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے ۔ البتہ موہنجودڑو سے ایک گھوڑے کا ڈھانچہ ملا ہے ۔ جو اس تہذیب کے زمانہ عروج کے بعد کا ہے ۔ ان کے برعکس جو ثبوت دستیاب ہوئے ہیں

وہ بیل کی بے شمار تصویریں ، مجسمے اور بیل گاڑیوں کے سفالی اور تانبے کے ماڈل ہیں ۔ لہٰذا یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ تجارت کشتیوں اور بیل گاڑیوں پر ہوتی ہوگی ۔ اس کے علاوہ سامان ڈھونے والے مزدور یا غلاموں کا ثبوت شاہراؤں کے قریب بنے چند فٹ اونچے ستون ، پتھر کے ڈھیروں اور چھجوں سے دیا جاسکتا ہے ۔ جو سر سے گٹھڑی اتارنے کے کام آتے ہوں گے ۔

سمندر سفر بڑی کشتیوں یا لکڑی کے جہازوں پر ہوتا تھا ۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ کشتیوں کے ذریعہ اتنی زیادہ آمد و رفت کے باوجود صرف ایک برتن پر کشتی کی تصویر ملی ہے ۔ ایک مہر پر ایک تصویر میں کشتیوں کے درمیان ایک مربع شکل کا سرکنڈوں کا احاطہ ہے ۔ اس کے اندر ایک چبوترہ پر ایک ملاح گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا ہے ۔

سکہ

وادی سندھ کے سکے چاندی کے ٹکرے ہوتے تھے ۔ جن پر کسی مہر کے ذریعے نشان بنادیا جاتا تھا ۔ ان سکوں کا ایک بڑا ذخیرہ کریم نگر (حیدرآباد دکن) سے ملا ہے ۔ وادی سندھ کے ذوال کے بعد بھی یہ سکے جو پن یا کرشاپن کہلاتے تھے ، ہندوستان میں بڑی مدت تک رائج رہے ۔ گوتم بدھ کے زمانے میں یہ سکے چلتے تھے ۔ سکندر جب ٹیکسلا پہنچا تو اسے یہی سکے نذر کئے گئے ۔ ایک زمانے میں ہندوستان کے قدیم ترین سکے سمجھے جاتے تھے ۔ لیکن ان کی اصلیت اسی وقت معلوم ہوئی ، جب دیکھا گیا کہ ان پر اسی زبان میں تحریریں اور ویسے ہی نشانات ہیں جیسے کہ وادی سندھ کی مہروں پر ۔ موہنجودڑو کے آثار میں وہ سانچے بھی ملے ہیں جن سے ان سکوں پر نشانات بنائے جاتے ہیں ۔ ڈی ڈی کوسامبی کا کہنا ہے کہ یہ سکے بعد کے پنیوں نے ڈھالے ہیں ۔ اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ موہنجودڑو یا ہڑپہ میں یہ سکے نہیں ملے ہیں ۔

زراعت

بڑی اجناس گندم اور جو تھیں ، اس کے علاوہ تل اور مٹر بھی کاشت کئے جاتے تھے ۔ کپاس کاشت کا ثبوت موہنجودڑو سے ملا ہے ۔ پاس کے دھاگے سے بنے ایک کپڑے کا ٹکڑا بھی یہیں سے ملا ہے ۔ جس پر سرخ اور مجیٹھی رنگ چڑھایا گیا تھا ۔ آج بھی سندھی اجرک کے یہ مخصوص رنگ ہیں ۔ اس دور کے سامان تجارت کی ایک نہایت اہم شے کپاس تھی ۔ چاہے وہ روئی کی شکل میں ہوں ، دھاگے کی شکل میں ہو یا کپڑے کی شکل میں ۔ میسو پوٹیمیا کو یہاں کی کپاس برآمد کی جاتی تھی ۔ بکری وہی نفیس اون والی بکری جس سے شالیں بنتی ہیں ۔لہٰذا وادی سندھ میں اونی لباس کا استعمال خارج امکان نہیں ۔

اگرچہ وادی سندھ کی تہذیب تجارت و صنعت سے وابستہ متوسط طبقے کو ثابت کرتی ہے ۔ لیکن سندھ سلطنت کی بنیادی معیشت لازماً زرعی تھی ۔ بڑی اجناس گندم اور جوار تھیں ۔ گندم پتھر کے کھرل میں پتھر ہی کے موصل سے پیسی جاتی تھی اور جو لکڑی کی اوکھلی میں لکڑی ہی کے موصل سے جھڑے جاتے تھے ۔ مٹر ، خربوزے اور تل بھی ہوتے تھے ۔ موہنجودڑو میں کچھ پتھر کی کجھوریں اور پتھراہی گھٹلیاں ملی ہیں ، برتنوں پر بنے درختوں میں کھجور کا درخت ، ناریل کا پھل ، انار اور کیلا بھی دیکھائی دیتا ہے ۔ موہنجودڑو سے تانبے اور چاندی کی اشیاء کے ساتھ سوتی کپڑے کا ٹکڑا بھی ملا ہے ۔

موہنجودڑو سے پٹ سن کا ریشہ بھی ملا ہے ۔ لہذا پٹ سن کی رسیاں اور بوریاں عام استعمال ہوتی تھیں ۔ ایک جگہ مچھلی پکڑنے کا کانٹا اور اس کے ساتھ پٹ سن کا ریشہ لپٹا ہوا تھا ۔

منکے

وادی سندھ میں منکے اور ہیت میں کثیر النوع ہیں ۔ سونے ، چاندی ، تانبے کانسی ، روغنی مٹی ، صابن پتھر ، قیمتی اور نیم قیمتی پتھروں اور گھونگے سیپی اور مٹی سب چیزوں سے منکے بنائے جاتے تھے ۔ سب سے زیادہ منکے پتھر کے بنے ہوئے ملے ۔ ٹھوس پتھر سے تراشنے کے علاوہ صابن پتھر کو پیس کر اس کے سفوف کو پانی میں گوند کر بھی بنائے جاتے تھے ۔ منکوں کو بنانے کے طریقے بھی بہت سے تھے ۔ چیرنے ، تراشنے ، رگڑنے ، چھیدنے ، برمانے اور کاٹنے کے سب طریقے برتے جاتے تھے ۔ پتھر کو پہلے چیر کر لمبی لمبی سلاخیں بنالیں جاتی تھیں ۔ پھر ان کو کاٹ کر ٹکڑے کئے جاتے تھے ۔ پھر ان کو اندر سے برمایا جاتا تھا اور باہر سے رگڑا جاتا تھا ۔ برما پتھر کا ہوتا تھا اور برمانے میں پانی بھی استعمال ہوتا تھا ۔ سونے ، چاندی اور قیمتی پتھر کے منکے سے تو بیگمات کے زیورات بنتے ہوں گے ۔ لیکن مٹی کے منکے جوگیوں کا پہناوا رہے ہوں گے ۔ کچھ منکے نقلی سونے بھی ملے ہیں ۔ جن میں تانبے کے منکوں پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے ۔بعض منکے قتلے دار بھی ملے ہیں ۔ بعد کے زمانے میں ڈھولک نما بھی ہوگئے ۔یعنی لمبوترے منکے جو گول ہیں اور ان کے درمیان ابھار ہے ۔ ان پر تین پتیوں دار پھول بھی بنا ہے ۔ بعض منکوں پر سرخ اور سیاہ رنگ بھی کیا ہوا ہے ۔ ان کو الکلی ، تیزاب اور دوسرے کیمیاوی مادوں سے رنگا جاتا تھا ۔

زیورات

امیر عورتیں بکثرت زیور استعمال کرتی تھیں ۔ جس میں سونے ، چاندی اور نیم قیمتی پتھروں سے بنے ہار ، گلوبند اور بازوں بند شامل تھے ۔ ان کے علاوہ سونے کے تعویز جن میں سفید لئی جڑ کر پھول بنائے جاتے تھے ۔ سادہ سونے کے کنگن اور بازو بند ہوتے تھے ۔ جن پر سونے کا کام ہوتا تھا ۔ گول منکے اور سفید مخروطی جو کانوں میں پہنے جاتے تھے ۔ طرح طرح کے گلوبند اور ہاروں کے علاوہ کمر بند ہوتے تھے ۔ کمر بند لباس کے اوپر باندھا جاتا تھا ۔ قیمتی پتھروں میں سنگ یشب کا استعمال عام تھا ۔ لاجور بھی کسی قدر استعمال ہوتا تھا ۔ سرخ عقیق سے منکے بنائے جاتے تھے ۔ جن پر باریک نقش کھود کر ان میں سفید رنگ بھرا جاتا تھا ۔ یوں تو سرخ منکے پر سفید پھول بنائے جاتے تھے ۔ منکوں کے علاوہ کانوں کی بالیاں اور ناک کے لونگ بھی بنتے ہوں گے ۔ تانبے کے آئینہ ہوتے تھے جن کو پکڑنے کا دستہ ہوتا تھا ۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا تھا ۔ سرمہ دانی ، سرمہ لگانے کی سلائی اور سرمہ دانی میسر تھا ۔ تانبے کے استرے سے ہی بال مونڈے جاتے تھے ۔

متفرق اشیاء

مٹی کی کئی ننھی منی چیزیں بنائی جاتی تھیں ۔ جن میں مٹی سیٹیاں جو پرندوں خاص کر مرغیوں کی شکل کی ہیں ۔ اس کے علاوہ مٹی کے گول جھنجنے جن میں مٹی کی باریک گولیاں ڈالی جاتی تھیں ۔ مٹی کے بنے ہوئے گول اور چوکور پانسے

۔ مٹی کے جھانوے ، مٹی کے ننھے پنجرے جن میں جھینگر رکھے جاتے ہوں گے اور مٹی کے چوہے دان بھی ملے ہیں ۔ اس طرح کے ننھے منے برتن بھی ہیں ، مٹی کی چوڑیاں ، کنگن ، انگوٹھی اور بٹن وغیرہ ہیں ۔ جن پر روغن چڑھایا گیا ہے ۔ ان کے علاوہ بازو بند ، کھیل کے مہرے اور ننھی منی بے شمار چیزیں بنائی جاتی تھیں ۔ بعض جگہ سے نہایت تنگ منہ والی چھوٹی سرمہ دانیاں بھی ملیں ہیں ۔ کانسی اور تانبے سرمچو بھی ملے ہیں ۔جو ساڑھے چار انچ سے پانچ انچ تک لمبے ہیں ۔ تانبے کے پیالے ، پیالیاں اور تھالیاں عام تھیں ۔

پختہ مٹی کی بہت سی کھلونا گڑیاں اور دوسرے کھلونے ملے ہیں ۔مٹی کے بنے رتھ اور چھکڑے ہیں ۔مٹی کی بنی پرندوں کی شکل کی سیٹیاں ہیں جو آج بھی پھونک ماریں تو بجتی ہیں ۔ دو اینٹوں پر ایسے پانسے بنے ہیں جن سے پانسہ پھینک کر کھلینے والا کوئی کھیل کھیلا جاتا ہوگا ۔ پانسوں جو نشانات لگے ہیں ان کا طریقہ موجودہ طریقہ کار سے مختلف ہے ۔ موجودہ پانسے پر کوئی سی دو مخالف سمتوں کا مجموعہ سات بنتا ہے ۔ یعنی ایک کے مخالف چھ ہیں ، دو کے مخالف پانچ ، تین کے مخالف چار اور پانچ کے مخالف چھ ۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ لوگ ان کھیلوں پر جوا کھیلتے تھے یا نہیں ۔

لباس

لباس تو کوئی نہیں ملا ہے نہ مورتیوں سے ہی لباس کی تفصیلات پر روشنی پڑتی ہے ۔ صرف اتنا لگتا ہے کہ مرد چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھتے تھے ۔ کچھ لوگ مونچھیں منڈاتے تھے اور مرد کشیدہ چادریں اوڑھتے تھے یا چوغہ پہنتے تھے ۔ جس میں دایاں بازو ننگا رہتا تھا ۔ عورتیں مختصر دھوتی یا تہمد باندھتی تھیں ۔ امیر عورتیں اس کے اوپر کمر بند باندھتی تھیں ۔ جو چوڑی پٹی کا ہوتا تھا ۔

اوزان اور پیمانے

موہنجوڈرو میں وزن اور پیمائش کا ایک صحت کے ساتھ طے شدہ نظام تھا ، جو علاقے کے طول و عرض میں رائج تھا ۔

باٹ مختلف اقسام کے پتھروں سے تراشے جاتے تھے ۔ جن میں ناقص عقیق ، چونا پتھر ، سلیہ پتھر ، سفید عقیق ، ورقی پتھر اور سنگ سیاہ وغیرہ شامل ہیں ۔ ان میں سے بعض سوراخ دار ہوتے تھے اور بہت سارے چھوٹے بڑے باٹوں کا ایک سیٹ تار میں پرویا ہوتا تھا ۔ نہایت چھوٹے باٹ بھی تھے ۔ جو سناروں کے کام آتے تھے ۔

عموماً ترازو کی ڈنڈی اور دونوں پلڑے لکڑے ہوتے تھے ۔ جو دھاگے سے بندھے ہوتے تھے ۔ یہی وجہ ہے ترازو کی زیادہ باقیات نہیں ملیں ۔ بعض صورتوں میں ڈنڈی تانبے اور اس کے علاوہ پختہ مٹی کے بنے ہوتے تھے ۔ ان میں سے کچھ نمونے محفوظ ملے ہیں ۔

موہنجوڈرو کے معیاری اوزان کا نظام قدیم دنیا کے کسی دوسرے نظام سے نہیں ملتا جلتا ہے ۔ ان اوزان کا اندرونی تناسب اس طرح ہے ۔

1 ، 2 ، 4 ، 8 ، 16 ، 32 ، 64 ، 160 ، 200 ، 320 ، 640

ان میں وہ وزن جس کو 16 کہا گیا ہے بنیادی اکائی کا درجہ رکھتا تھا ۔ اس کا وزن 13.64 گرام تھا ۔

موجودہ تولہ ۱۱٫۶۶ گرام کا ہے ۔ اسے ہم پکا تولہ کہہ سکتے ہیں ۔ یہ بنیادی وزن یعنی پکا تولہ جب اوپر کو جاتا تھا تو اعشاری ترتیب سے بڑھتا تھا ۔ جب نیچے جاتا تھا تو 2 سے تقسیم ہوتے ہوئے چلتا تھا ۔ سولہ کا یہ نظام پاکستان میں اعشاوی نظام سے پہلے رائج تھا ۔

اوزان کی طرح نہایت پیمائش کا ایک صحت کے ساتھ طے شدہ نظام تھا ۔ موہنجودڑو سے گھونگے سے بنایا گیا ایک پیانہ ملا ہے جو ذرا سا ٹوٹا ہوا ہے ۔ اس پر برابری کے نشانات لگے ہیں ۔ ہر حصہ11.32 انچ یا 33 سینٹی میٹر کے برابر ہے ۔

موہنجودڑو سے ملنے والا گھونگے کا پیانہ جو بنیادی اکائی 11.32 کے برابر دیکھاتا ہے ۔ اس میں ہر اکائی کے بعد ایک دائرے کا نشان بنایا گیا ہے ۔ اس بنیادی اکائی کی ضمنی تقسیم بھی کی گئی ہے ۔ جو کہ پانچ حصوں (سوتروں) میں ہے ۔ ہر حصے کو الگ کرنے کے لئے کھڑی لکیر لگائی گئی ہے ۔ اس طرح پانچ سوتر کی پور اور دس پور کا ایک پاؤں ہوتا ہوگا ۔ مختلف عمارتوں کی پیائش کرکے رکھا گیا تو اس میں دو پیائش نظر آئیں ۔ ایک کے مطابق بیس انچ کا ہاتھ ہوتا ملتا ہے (20.03 انچ سے لے کر 20.08 انچ تک) دوسری پیائش کے مطابق اس کی صحیح پیائش 13 انچ سے لے کر 13.2 انچ تک ۔ تمام عمارتوں کی لمبائی چوڑائی سختی سے دو میں سے کسی ایک پیانے پر اترتی ہے ۔ مثلاً اشنان گھر کا تلاب اسی پاؤں کے حساب سے 36 × 21 پاؤں ہے ۔ جب کہ یہ پاؤں 13.1 انچ کا ہے ۔

کچھ بھی ہو ان اوزان پیائش کی تفصیل اورصحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں جیومیٹری کا علم کافی ترقی کرچکا تھا اور اس کی تعلیم کا کوئی نہ کوئی سلسلہ تھا ۔

رسم الخط

وادی سندھ کے بہت سے سربستہ رازوں میں سے سب سے دلچسپ راز وادی سندھ کا رسم الخط ہے ۔اسے پڑھنے کوششیں دنیا بھر کے ماہرین نے کی ہیں ۔لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی ۔ وادی سندھ کی کل تحریریں 5000 سے بھی زائد ہیں ۔ جو مختلف مہروں ، ٹکیوں اور برتنوں پر ثبت ہیں ۔ ان میں سے بعض عبارتیں دہرائی گئی ہیں ۔ اس اعتبار سے کل عبارتیں 1500 سو ہیں ۔ ان عبارتوں میں بنیادی علامات 396 سو ہیں ۔ جو اپنے زمانے کے اعتبار سے خاصی مختصر ہیں اور زبان کے ترقی یافتہ ہونے کا ثبوت بھی ہیں ۔ اس رسم الخط کو پڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ تو یہ ہے کہ دستیاب عبارتیں نہایت مختصر ہیں ۔ کوئی سی تحریر ایک آدھ جملے سے زیادہ نہیں ۔ سب سے طویل عبارت میں صرف سترہ علامتیں یا شکلیں ہیں ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شاید بعض افراد کے نام ہیں یا قبیلوں کے نام یا خطابات یا کسی تجارتی ادارے یا مذہب (مندر) یا تجارت کے نام ہیں ۔

ذوال

موہنجودڑو کی کھدائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر بتدریج ذوال پزیر ہوا ۔ بارہا یہ شہر سیلاب سے تباہ ہوا اور ہر بار جب نئی تعمیرات ہوئیں تو ان کا معیار پہلے سے بہت پست تھا ۔ بڑے مکانوں کے ملبے پر چھوٹے اور گندے مکان بنے ۔ بڑے اناج گھر کے اوپر چھوٹے چھوٹے گھٹیا مکان بنے اور بتدریج دارلحکومت ایک وسیع و عریض کچی آبادی میں تبدیل

ہوگیا ۔ اس غربت کی وجہ کھیتوں کی ذرخیزی میں کمی یا آبپاشی کے نظام کا آہستہ آہستہ ناکارہ ہوجانا تھا یا اینٹوں اور برتنوں کے بھٹیوں میں جلانے کے جنگلات کو کاٹ کاٹ کر ختم کردینا سمجھا جاتا ہے ۔ جس کی وجہ سے بارشیں کم ہوئیں اور خشک سالی ہوگئی ۔ لیکن موہنجودڑو کی کھدائی شدہ سطحوں میں کم از کم تین سیلابوں کا ثبوت ملا ہے ۔ جس سے شہر بالکل تباہ ہوگیا ۔ ہوسکتا ہے ایسی تباہی نچلے حصہ میں بھی آئی ہو ۔ ان سیلابوں نے جو مٹی بچھائی ہے اس کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مٹی ٹھہرے ہوئے پانی کی ہے بہتے ہوئے پانی کی نہیں ۔ جس کا مطلب ہے دریا کے نچلے حصے کی زمین ارضیاتی تبدیلیوں سے اوپر اٹھی دریا نے واپس حملہ کیا اور شہر غرق ہوگیا ۔ یہ طے شدہ ہے کہ بار بار کے سیلابوں نے تباہی مچائی اور یہ ایک عنصر تھا ۔ لیکن تہذیب کی حتمی تباہی کسی عظیم طوفان نوح کی وجہ سے نہیں تھی ۔ بلکہ بار بار کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں بتدریج تھی ۔

کچھ شواہد حملے اور قتل عام کے بھی ملتے ہیں ۔ چھ جگہوں سے لاشیں ملی ہیں ۔ جن میں پانچ جگہوں پر متعدد آدمی یکجا مرے اور ایک جگہ ایک اکیلا آدمی ملا ہے ۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے ایک عوامی کنواں ایک کمرے میں واقع ہے ۔ برابر کی گلی سے اونچی ہے اور گلی میں سے سیڑھیاں ے اس کنویں کے کمرے میں اترتی ہیں ۔ ان سیڑھیوں پر دو آدمی مرے پڑے ہیں ۔ ایک عورت اور ایک ان میں سے ایک الٹا گرا ہے ۔ دو لاشیں گلی میں پڑی ہیں ۔ یہ شہر کے آخر زمانے کے لوگ تھے ۔ ایک لاش کمرے کے پختہ فرش پر پڑی تھی دوسری پختہ کمرے میں ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کنواں اس وقت زیر استعمال تھا اور اسی وقت یہ لوگ مر کر گرے ہیں ۔ ان کے ڈھانچے مدفون حالت میں نہیں پائے گئے ہیں ۔ ایک گھر میں چودہ ڈھانچے ملے ہیں تیرہ مرد ایک عورت اور ایک بچہ ۔ ان میں سے کسی نے کنگن پہن رکھے تھے ، کسی نے انگوٹھیاں اور کسی نے منکوں کے ہار ۔ یہ لوگ یقیناً ایک ہی حملے میں قتل ہوئے ہیں ۔ ایک آدمی کی کھوپڑی میں 146ا ملی میٹر لمبا کٹاؤ ہے ۔ جو یقیناً تلوار یا خنجر کا زخم ہے ۔ بعض دوسری کھوپڑیوں پر تشدد کے آثار ہیں ۔ صاف پتہ چلتا ہے یہ لاشیں شہر کی آخری تباہی کے وقت کی ہیں ۔ ڈاکٹر جارج ایف ڈیلز میں1942 میں موہنجودڑو کی کھدائی میں پانچ ڈھانچے ڈھونڈے جو چاروں شانے چت پڑے تھے ۔ یہ گلی کے ایک کونے سے ملے ہیں ۔ ویلر کا خیال ہے شاید یہ لوگ حملے کے وقت چھپے ہوئے کھڑے تھے ۔ ان میں تین مرد ، ایک عورت اور ایک بچہ ہے ۔ ان کا زمانے بھی موہنجودڑو کا آخری زمانہ تھا ۔ ایک گلی میں چھ ڈھانچے ان میں ایک بچہ ملا ہے ۔ ایک گلی میں ایک ڈھانچہ ملا ہے ۔ ایک جگہ نو ڈھانچے ملے ہیں جو مڑے تڑے تھے ۔ ایسا لگتا ہے کسی نے جلدی میں نو لاشیں گڑھے میں ڈال دی ہیں ۔ مگر ان کے پاس ہاتھی کے دو بڑے دانت ملے ہیں ۔ اس کا مطب ہے یہ ہاتھی کے دانت کا کام کرنے والا کنبہ تھا ۔ جو جلدی میں بھاگ رہا تھا کہ قتل ہوگیا اور کسی نے انہیں گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دی ۔ یہ واحد شعوری طور پر دفن کئے گئے ہیں ۔ یہ بھی شہر کا آخری زمانہ ہے ۔ کل اڑتیس لاشیں اس افراتفری کی حالت اس بات کا ثبوت ہے کہ شہر میں قتل عام ہوا تھا ۔ قلعہ لاشوں سے پاک ہے ۔ ویلر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ دوسری ہزاروی قبل مسیح میں بلکہ اس کے وسط میں یعنی 1500 قبل مسیح میں آریاؤں نے حملہ کرکے اس شہر کو تاراج کیا ہوگا ۔

جب موہنجودڑو بتدریج ذوال پزیر ہوا ۔ بارہا یہ شہر سیلاب سے تباہ ہوا اور ہر بار نئے لوگوں کا معیار پہلے سے بہت پست تھا ۔ بڑے مکانوں کے ملبے پر چھوٹے اور گندے مکان بنے ۔ بڑے اناج گھر کے اوپر چھوٹے چھوٹے گھٹیا مکان بنے اور بتدریج دارلحکومت ایک وسیع و عریض کچی آبادی میں تبدیل ہوگیا اس غلاموں کی بغاوت کا لامتناہی سلسلہ وہ

بنیادی سبب ہے جس نے سندھ تہذیب اور سندھ سلطنت کو تباہ و برباد کردیا ۔ متفرق شہروں کے بار بار جلنے اور اس کے بعد کمتر دستکاری کے مروج ہونے کے بہت سے ثبوت آثار قدیمہ نے فراہم کئے ۔ یہ کمتر دستکار دیہی کی تھے جو سماج کی پست ترین سیڑھی پر تھے ۔ یہ کوئی باہر سے آنے والی فاتح اقوام کے افراد نہیں تھے مقامی غلام تھے ۔ یہی وجہ ہے سندھ کا کوئی شہر یا قصبہ تباہ ہوتا تو اگلی مرتبہ کمتر ثقافت دیکھنے میں آتی ۔ کو بغاوتوں اور تجارتی قافلوں پر ڈاکوؤں کے حملوں اور شہروں پر کسانوں کے حملے ہونا فطری سی بات ہے ۔ ان روز روز کی بغاوتوں نے سلطنت کو بہت کمزور کردیا ۔ جگہ جگہ ریاستی مشنری شکست و ریخت کا شکار ہونے لگی ۔ یہ صورت حال تھی جب آریاؤں کے وحشی قبائل مغرب سے داخل ہوئے اور ان کے پے درپے حملوں نے سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یہ ماننا پڑے گا کہ ذوال آمادہ تہذیب 1700 ق م میں آریاؤں کے ہاتھوں تباہ ہوئی ۔ مگر آریاؤں کا حملہ آخری عنصر کی حثیت رکھتا ہے ۔

سندھ تہذیب کی پہچان

وہ خاص چیزیں جو وادی سندھ کی پہچان ہیں مندرجہ ذیل ہیں ۔ جن کی بنیاد پر کسی خاص علاقے میں ملنے والی نئ چیزوں کا رشتہ اس تہذیب سے جوڑا جاسکتا ہے یا اس سے تفریق کی جاسکتی ہے ۔

(۱) وادی سندھ کی مہریں ۔

(۲) رسم الخط جو کے عموماً مہروں اور برتنوں پر ہے ۔

(۳) مخصوص آرائشی نمونے جو برتنوں پر ہیں ۔ جن پر کاٹتے ہوئے دائرے ، پٹی دار نمونے ، پیپل کے پتے ، گلاب کا پھول اور مور بنے ہوئے ہیں ۔

(۴) کچھ مخصوص ظروف ۔ مثلاً چھوٹے پینڈے کا لوٹا ۔ وادی سندھ کی مخصوص صراحی ، جس میں لاتعداد سوراخ ہیں ۔ لمبے مرتبان جن کا دہانہ باہر کو مڑا ہوا ہے اور جن کی گردن پیٹ سے ذرا تنگ ہے ۔ پینڈا دھانے سے چھوٹا ہے ۔ پاندان طشتری ۔

(۵) مٹی کی تکونی ٹکیاں جو پکائی گئی ہیں ۔

(۶) گھونگے یا قلعی شدہ پختہ مٹی کے جڑاؤ ٹکڑے ۔ جو مختلف مصنوعات پر لگائے جاتے تھے اور ان کی شکل گردے یا آم کی طرح ہے ۔

(۷) بعض مخصوص منکے مثلاً قرض نما منکے جن میں نالی دار گول سوراخ ہے ۔

(۸) پتے کی شکل کا نوک والا تانبے کا چاقو ۔ یہ وادی سندھ کے علاوہ کہیں نہیں ملا ۔

چنھودڑو

موہنجودڑو سے اسی میل جنوب میں چھنودڑو ہے ۔ کبھی دریائے سندھ اس کے دامن کو چھوتا کر گزرتا تھا ۔ اب دریا یہاں سے بارہ میل دور ہے ۔ اس میں اوپر تلے تین ثقافتی ادوار مدفون ہیں ۔ سب سے نیچے وادی سندھ کی تہذیب ہے ۔ جو عمارتوں کی تین سطحوں پر مشتمل ہے ۔ گویا اس میں تین رہائشی سطحیں ہیں اور یہ سب ایک دوسرے سے سیلاب کی گاد سے جدا ہیں ۔ ہر بار شہر سیلاب سے تباہ ہوا ۔ سندھ تہذیب کی سطح تین جو تین آبادیوں پر مشتمل ہے ۔ جہاں

ختم ہوتی ہے اس کے نیچے جھوکر ثقافت اور جھنگر ثقافت ہے ۔ سب سے نچلی سطح کے نیچے بہت کچھ ہوگا ۔ مگر زیر زمین پانی نیچے کھدائی میں مانع ہے ۔ یہ شہر کم از کم دو مرتبہ سیلاب سے غرق ہوا اور دوبارہ تعمیر ہوا ۔ یہ ایک صنعتی شہر تھا ۔ جس میں زیادہ تر گھر دستکاروں کے تھے ۔ کئی جگہ کانسی یا تانبے کے ڈھلے ہوئے اوزار ڈھیروں کی صورت میں ملے ہیں ۔ ان پر صفائی ، رگڑائی وغیرہ کا کام ہونا ابھی باقی تھا ۔ تو یہ کسیروں اور ٹھٹھیروں کے گھر تھے ۔بعض گھر منکا سازوں کے تھے ۔ کچھ گھونگے اور ہڈی کی اشیاء بنانے والوں کے گھر تھے ۔ کچھ مہریں بنانے والوں کے گھر تھے ۔ یہ وہی مشہور مہریں ہیں جن پر وادی سندھ کی تحریر ہے ۔

منکے بنانے والوں کے گھر میں پختہ اینٹوں کا فرش ہے ۔ جس کے نیچے تانے بانے میں کاٹتی ہوئی زمین دوز نالیاں تھیں ۔ اس کمرے کی دیواریں کافی باریک تھیں ۔ اس میں راکھ یا آگ جلنے کا کوئی دوسرا نشان نہیں ملا ہے ۔ فرش پر ، نہ نالیوں میں ۔ شاید یہ کارخانہ بنانے کے بعد ہی چھوڑ دیا گیا ۔ اکثر فیکٹریوں میں آدھا تیار مال ڈھیروں کی صورت میں ملا ہے ۔ جس کا مطب ہے شہر کو افراتفری میں خالی کیا گیا ۔

جھوکر ثقافت

اس کے بعد وادی سندھ کی تہذیب کے آخری زمانے کی جھلکیاں ملتی ہیں اور اس کے بعد جھوکر ثقافت کے آثار ہیں ۔ ماہرین آثار یہ بنانے سے قاصر ہیں کہ شہر خالی کیوں ہوا ۔ پرانے لوگ کہاں چلے گئے اور نئے لوگ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے ۔ البتہ اتنا ضرور طے ہے کہ نئے لوگ پہلے والوں کی نسبت بدرجہا غریب تھے ۔ جنہوں نے خالی مکانوں میں چٹائی کی جھگیاں ڈال لی تھیں ۔ اور جھونپڑیوں کے باہر انہوں نے چولہے بنائے تھے ۔ جن کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں ۔ جن کا کام چولہوں کو ہوا سے بچانا تھا ۔

ارض پاکستان کی قبل تاریخ پر غور کرنے والوں کا خیال ہے کہ حملہ آور باہر سے آئے تھے ۔ حالانکہ ہر تباہ شدہ بستی میں ہر دفعہ یہ ثبوت ملتا ہے کہ پہلے لوگ امیر ، خوشحال اور فنون اور دستگاریوں میں ماہر تھے اور باہر سے آنے والے غریب ، کھردرے اور فنون اور دستکاریوں میں پس ماندہ تھے ۔ پھر ان کے اسالیب ارد گرد کی نسبتاً چھوٹی بستیوں میں قدیم تر زمانے سے مل جاتے ہیں ، لیکن اندرونی انقلاب اور اندرونی حرکیات پر ان کی نظر نہیں جاتی ۔ خاص کر جھوکر ثقافت کے ظروف کی مماثلت آمری ظروف سے بہت زیادہ ہے ۔ جس کا مطلب صاف ہے کہ نئے لوگ بھی اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اور کہیں باہر سے نہیں آئے تھے ۔ اس تبدیلی کی نوعیت کا تعین کرنے میں شاید دیر لگے کہ آیا یہ شہری دیہاتی کشمکش تھی یا زراعت پیشہ اور گلہ بان قبائل کاٹکراؤ ۔ شاید ابھی مرکزی حکومت نہیں بنی تھی ۔ اس لئے ٹکراؤ ہوا اور شہری اقتدار تباہ ہوا ۔ جھوکر ثقافت کا زمانہ 2000 ق م کا ہے ۔

چھودڑو میں جھوکر ثقافت کی دوسرے نمایاں چیزوں میں گول بٹن جیسی مہریں جو مٹی سے بنائی گئی ہیں اور ان پر روغن کیا گیا ہے ۔ اکا دکا حیوانی مجسمے ملے ہیں ۔ جو نہایت بھدے ہیں ۔ عام طور پر مہروں پر سورج کی تصویر بنائی گئی ہے ۔ جس کے گرد روشنی کا حالہ ہے ۔ ایک تانبے یا کانسی کا پن بھی ملا ہے ۔ جس کے دو گھنگرالے سرے ہیں ۔ جھوکر ثقافت میں چاک پر برتن بنتے تھے ۔ البتہ کبھی کبھی ہاتھ سے بنالیتے تھے ۔

جھنگر ثقافت

چھوڈڑو کی سب سے اونچی سطح جھنگر ثقافت کی نمائندہ ہے ۔ اس ثقافت کی ایک دلچسپ خصویت یہ ہے کہ لوگ چاک پر مٹی کے برتن نہیں بناتے تھے بلکہ چکر پر بناتے تھے ۔ چکر لکڑی یا پختہ مٹی یا بھتر کی ایسی گول تختی ہوتی تھی جسے زمین پر رکھ کر پاؤں سے گھماتے جاتے تھے ۔ یہ ست رو چیز ہوتی تھی ۔ چکر پر بنے برتنوں کا رنگ خاکستری یا سیاہ تھا اور ان میں کھدائی کے نمونے ہوتے تھے ۔ گویا جھوکر سے بھی ایک قدم پیچھے سفر تھا ۔

ماخذ

یحیٰی امجد ۔ تاریخ پاکستان قدیم دور

پروفیسر محمد مجیب ۔ تاریخ تمدن ہند

ٹی ایچ سورلے گزیٹیر سندھ

ڈاکٹرمعین الدین ، قدیم مشرق جلد دوٗم

ڈی ڈی کوسمبی ۔ قدیم ہندوستان

نیرون کوٹ کا محل وقوع

(میری تحقیق کے مطابق حیدرآباد کے مقام پر نیرون کوٹ نہیں بلکہ راوڑ آباد تھا اور یہی گمان شمس العماء ڈاکٹر عمر داؤد پوتا کا ہے میں نے مختصر اسے بیان کیا ہے)

تحفہ الکرام ہے کہ موجودہ حیدرآباد نیرون کوٹ کی قدیم بستی کی جگہ آباد تھا ۔ محبّ اللہ بھکری نے بھی لکھا ہے کہ حیدرآباد نیرون کوٹ کے نام سے مشہور تھا اور مغلوں کی تسخیر کے بعد یہ شہر حیدرآباد مشہور ہوا ۔ حیدر علی ارغون نے اس شہر کو نئے سرے سے تعمیر کرایا تھا ۔ ڈاکٹر عمر داؤد پوٹا کا خیال ہے کہ موجودہ حیدرآباد قدیم راوڑ کے مقام پر آباد ہے ۔ مگر اس کا کیا جائے نیرون کوٹ حیدر آباد کے مقام پر آباد تھا اس تائید چچ نامہ سے نہیں ہوتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے تعلقات چچ نامہ میں لکھا ہے کہ یہاں یا تو عبارت میں خلل آگیا ہے یا اس وقت فرسنگ کا اطلاق ڈیڑھ میل پر ہوتا تھا ۔ لیکن ہم اس کو مان بھی لیں تو تب بھی محمد بن قاسم نقل و حرکت کی جغرافیائی تفصیل ملتی ہے اس سے اور مسلہ کھڑا ہوجاتا ۔ لہذا اس پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے ۔

بالاالذکر آپ پڑھ چکے ہیں کہ میر شیر علی قانع ٹھٹھوی نے حیدر آباد کو قدیم نیرون کا محل کوٹ بتایا ہے اور شمس العماء ڈاکٹر عمر داؤد پوتا نے راوڑ ۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ میر شیر علی قانع ٹھٹھوی کہنا درست ہے یا شمس العماء ڈاکٹر عمر داؤد پوتا ۔ ہمیں اس کے لیے محمد قاسم کی جغرافیائی نقل و حرکت تفصیلی غور کرنا ہوگا ۔ تب ہی ہم اس کے لیے کسی حتمی رائے پر پہنچ سکیں گے ۔ کہ نیرون کوٹ کہاں واقع تھا ۔

صاحب فتح نامہ نے لکھا کہ دیبل کی فتح اور انتظامات سے فارغ ہوکر محمد بن قاسم نیرون کوٹ کی جانب روانہ ہوا ۔ جو کہ دیبل سے پچیس فرسنگ تھا ۔ ساتویں دن نیرون کوٹ کے سامنے برودی جسے بلہار بھی کہتے ہیں منزل انداز ہوا ۔ گرمی کا موسم تھا دریا میں ابھی پانی آیا نہیں تھا اور پانی کی شدید کمی کی وجہ سے لشکر کو پانی کی شدید تکلیف تھی ۔

پانی کی تکلیف دیکھ کر محمد بن قاسم نے نماز استقاء ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔ سب نے مل کر نماز استقاء ادا کی ۔ اللہ نے اس کی دعائیں قبول کیں اور خوب بارش ہوئی اور ہر طرف جل تھل ایک ہوگیا ۔ نیرن کوٹ کے حکمران ایک شمنی (بدھ) تھا جو باہر گیا ہوا تھا ۔ وہ واپس آیا تو اس نے آکر قلعہ کے دروازے کھلوادیئے اور نیرون کوٹ بغیر کسی جنگ کے فتح ہوگیا ۔ محمد قاسم نے وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی اور وہاں کے انتظامات سے فارغ ہوکر اس نے سیوستان کو فتح کرنے کا ارادے سے سیوستان روانہ ہوگیا ۔

نیرون کو ٹ سے محمد بن قاسم موج پہنچے جو نیرون کوٹ سے تیس فرسنگ کے فاصلے پر تھا ۔ لغت کے اعتبار سے موج کے معنی نہر یا تیز بہتے ہوئے پانی کے ہیں ۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ اسلامی لشکر کسی برساتی ندی کے قریب پہنچا تھا ۔ نیرون کوٹ میں محمد بن قاسم نے بارش کے لیے نماز استقاء ادا تھی ۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ بارش کا موسم شروع ہوچکا تھا ۔ اس موج کے مقام پر ہی شمنی (بدھ) راہب آئے اور صلح کا عہد نامہ کیا ۔ بلازری کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم مہران کے اسی طرف ایک نہر کو عبور کیا ۔ جہاں سر پیدس کے شمنی اس کے پاس آئے اور اس سے صلح کا عہد نامہ کیا ۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم نے مہران کے اس طرف ایک نہر کو عبور کیا اور وہاں سے سیوستان روانہ ہوا ۔ بلازری اور یعقوبی کے ان حوالوں اور چچ نامہ کی عبارت میں پوری طرح مطابقت رکھتے ہے ہیں ۔ اس طرح ان دو مورخوں کے بیان ہے کہ وہ مہران (دریائے سندھ) کے اس طرف کے معنی یہ ہیں کہ یہ نہر مہران کے مغرب میں تھی ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا نالہ تھا جسے محمد بن قاسم نے سیوستان جاتے ہوئے پار کیا تھا ۔ بلازری کے قول کے مطابق نہر عبور کرنے کے بعد سرپیدس کے شمنی ملنے آئے تھے ۔ اس کا مطلب ہے شمنوں کی بستی نہر کے پار کہیں تھی ۔ سن ندی کے مغرب میں قدیم ٹیلے اور کھنڈرات ملتے ہیں ۔ اس مقام پر لکی بھی بہت پرانا مقام ہے ۔ جو اپنے قریب کے پہاڑوں اور پانی کے چشمہ کی بدولت بدھ مذہب کے راہبوں کے رہنے کے لیے ایک موزں مقام ہوسکتا ہے ۔ غالباً یہ شمنی وہیں رہتے ہوں گے اور وہیں سے سیوستان کے حاکم بجھیرا کو پیغامات بھیج کر صلح کے لیے آمادہ کرتے ہوں گے ۔ اس معنی ہیں وہ سیوستان سے زیادہ دور نہیں ہوں گے ۔ اس لیے کہ لکی سیوستان سے زیادہ دور نہیں ہے ۔

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کا کہنا ہے کہ نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد) کا فاصلہ تیس فرسنگ لکھا ہے ۔ جو کہ حیدرآباد اور سیوہن کا درمیانی فاصلہ ہے ۔ جس وقت چچ نامہ لکھا گیا تھا اس وقت فرسنگ ڈیرھ میل ہوگا ، کیوں کہ حیدرآباد سے سن ندی ۴۵ میل ہے یا یہاں عبارت میں خلل ہے ۔ سی فرسنگ کہ تہت دمہ فرسنگ (تیئس فرسنگ) ہے ۔ جو کہ قریب قریب حیدرآباد اور لکی کے درمیانی فاصلے کے ہیں ۔ یہ ساری بحث ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے تعلقات چچ نامہ میں کی ہے ۔

مگر اس کا کیا کیا جائے اگر ہم اس کو تیئں فرسنگ مان لیں گے تو دیبل سے فاصلہ تیس فرسنگ لکھا اور اس کا کیا کریں گے ۔ اگر فرسنگ کا اطلاق ڈیڑھ میل پر کریں تو کیا نیرون کوٹ موجودہ ٹھٹھ پر تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کی دونوں صورتوں میں دیبل ، نیرون کوٹ اور سن ندی اپنے اپنے مقام پر نہیں بیٹھتی ہیں ۔ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کی وضاحت اور بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو پار ہی نہیں کیا تھا ۔ اس سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ ہوتا ہے کہ نیرون کوٹ موجود حیدر آباد کے مقام پر آباد ہی نہیں تھا ۔ کیوں کہ محمد بن قاسم نے اس مہم یعنی دیبل سے لے کر سیوستان تک دریا کو پار ہی نہیں کیا تھا اور سیوستان کے بعد محمد بن قاسم نے سیسم پہنچا ۔ وہاں اسے حجاج کا خط ملا ، جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ آگے بڑھنے کا خیال چھوڑ کر واپس نیرون کوٹ لوٹ جائے اور دریائے سندھ عبور کرکے داہر

سے مقابلہ کرے ۔ حجاج کے اس جملے کا مطلب یہی ہے کہ نیرون کوٹ دریا کے مغرب میں آباد تھا ۔ جو کہ دیبل سے پچیس فرسنگ یعنی پچتر میل کے فاصلے پر آباد تھا ۔ ہم دیبل (موجودہ بھبور) سے انڈس ہائی وے پر سفر کریں تو مکلی اور ٹھٹھ کے بعد ہم قدیمی آثار سونڈا کے مقام پر ملتے ہیں ۔ یہاں پتھروں کی قدیم خوشنما قبریں ملیں گی ۔ یہی وہ مقام ہے جو دیبل سے پچیس فرسنگ کے فاصلے پر ہے ۔ یہاں کے قدیم آثار کی تحقیق کریں اور یہاں کھدائی کروائیں تو یقناً اس کی شہادت مہیا ہوسکتی ہے کہ یہاں قدیم نیرون کوٹ آباد تھا ۔ کیوں کہ یہ مقام بھی ایک ٹیلے پر واقع ہے ۔ یہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ایک اہم مقام ہے میر شیر علی قانع ٹھٹھوی لکھتا ہے یہاں ایک قلعہ ہوا کرتا تھا ۔

اور ہم اس مقام سے سیوستان کی جانب چلیں تو ہمیں سن ندی ملے گی ، جس کا فاصلہ یہاں سے تقریباً تیس فرسنگ یعنی ۹۰ میل بنتا ہے ۔ اس کی تائید ہمیں محمد بن قاسم کی نیرون کوٹ سے راوڑ پر قبصہ کے لیے سرگرمی سے ہوتی ہے مزید اصطخر ی کا یہ کہنا ہے کہ منصورہ سے نیرون کوٹ سے چار دن مسافت پر تھا ۔ یہی وجہ ہے رواٹی نے اعتراض کیا کہ حیدرآبا دو دن کی مسافت پر ہے اور اسی بنا پر راوٹی نے حیدر آباد کو نیرون کوٹ کے خرابہ پر آباد ہونے پر اعتراض کیا ہے ۔

سہوان

جیمز ٹاڈ کا کہنا ہے کہ کرشن کی ایک رانی کا نام جامبوتی تھا ۔ اس کے بڑے لڑکے کا نام سامبب تھا سامبب نے دریائے سندھ کے ذیریں اور وسط علاقہ پر حکمرانی اور اسی سے جاریجا قوم نکلی ہے ۔ جو اب اپنی نسبت جمشید سے کرتی ہے ۔ غالب رائے یہی ہے کہ سامبا نگری (بینا نگر) جو یونانیوں کا سامبب ہے ، جس نے سکندر سے مقابلہ کیا تھا ، جو کہ کرشن کی اولاد تھے ۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یونانیوں سامبس یا سامبا نگر کا محل وقوع کس مقام پر تھا ۔ جہاں سکندر نے مقامی لوگوں سے لڑائی ہوئی تھی ۔ اس کے لیے ایک تفصیلی بحث کی ضرورت ہے ۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سامبس یا بینانگر وسطہ سندھ کے علاقہ میں واقع تھا ۔ کیوں کے ملی اسھتان (ملتان) کے بعد سامبس (بینا نگر) کے بعد یونانیوں نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ اگرچہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے اس کا محل وقوع دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں بتایا ہے ۔ مگر شواہد اس کی تصدیق نہیں کرتے ہیں اور سامبس کے بعد سکندر پٹیالہ آیا تھا ۔

اگر ہم سامبس کے صوتی اثر پر نظر ڈالیں تو موجودہ سیوہن ہی اس پر پورا اترتا ہے ۔ اس کی قدامت کے بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہے ۔ خاص کر راجہ بھرتری کی کہانی بہت مشہور ہے ۔ یہ کہانیاں یقناً سیتھیوں کے دور کی ہیں ۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ سیتھی تھے جو سامبس کہلائے ۔ اس لیے یہ علاقہ سامبس مشہور ہوا اور یونانیوں نے یہ اس علاقہ کا نام سامبس بتلایا ۔ سیتھیوں کی نسبت سے یہ علاقہ سامبس ، سیستان ، سہوان اور سیوہن کہلایا ۔

یہ علاقہ سیتھیوں کی وجہ سے سیستان کہلایا ۔ جن کی نمائندگی اب جاٹ کرتے ہیں اور مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس علاقہ میں ہندو اور بدھ مذہب رائج تھے ۔ اگرچہ اس علاقہ پر آٹھویں صدی عیسویں میں مسلمانوں کا قبضہ ہوچکا تھا اور یہاں کے لوگ عربوں کے دور ہی میں اسلام قبول کرچکے تھے اور قدیم دور کی بہت سی کہانیاں اور روایتیں مشہور رہیں ۔

سولویں صدی عیسویں میں جب اس علاقہ پر بلوچ اور بروہیوں کا قبضہ ہوا ، جو اس ہی سرزمین کے فرزند یا قدیم جاٹوں کی باقیات تھے ۔ وہ روایات اور کہانیاں ان کی روایات ان کو یاد تھیں ۔ مگر انہوں نے چوں کے عرب سے آنے کا دعویٰ کیا اور یہ بھی دعویٰ کیا کے اس علاقہ کو انہیوں نے ہندو راجاؤں سے چھینے کا دعویٰ کیا تاکہ ان کے عرب نژاد ہونے کو تقویت پہنچے ۔

ژ